

تَبَرُّ الْوَلَدِ

سُورَةُ الْحَجَّ

QuranUrdu.com

۲۲

سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

3	نام:	رکو ۱
3	زمانہ نزول:	رکو ۲
4	موضوع و مبحث:	رکو ۳
7		رکو ۴
21		رکو ۵
35		رکو ۶
44		رکو ۷
58		رکو ۸
70		رکو ۹
79		رکو ۱۰
95		رکو ۱۱
101		رکو ۱۲
106		رکو ۱۳

نام:

چوتھے رکوع کی دوسری آیت **وَآذْنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجَّ** سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول:

اس سورہ میں کمی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات ملی جلی پائی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے مفسرین میں اس امر پر اختلاف ہوا ہے کہ یہ کمی ہے کہ مدنی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے مضامین اور انداز بیان کا یہ رنگ اس وجہ سے ہے کہ اس کا ایک حصہ کمی دور کے آخر میں اور دوسرا حصہ مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوا ہے۔ اس لیے دونوں ادوار کی خصوصیات اس میں جمع ہو گئی ہیں۔

ابتداًًی حصے کا مضمون اور انداز بیان صاف بتاتا ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور اغلب یہ ہے کہ مکہ زندگی کے آخری دور میں ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوا ہو۔ یہ حصہ آیت 24 ﴿ وَ هُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقُوْلِ ۝ وَ هُدُوْا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝﴾ پر ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ يَصْدُوْنَ حَنْ سَبِيلَ اللَّهِ** سے یک لخت مضمون کا رنگ بدل جاتا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سے آخر تک کا حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے۔ بعید نہیں کہ یہ ہجرت کے بعد پہلے ہی سال ذی الحجه میں نازل ہوا ہو، کیونکہ آیت 25 تا 41 تک کا مضمون اسی بات کی نشان دہی کرتا ہے، اور آیت 39 تا 40 کی شان نزول بھی اس کی موئید ہے۔ اس وقت مہاجرین ابھی تازہ تازہ ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آئے تھے۔ حج کے زمانے میں ان کو اپنا شہر اور حج کا اجتماع یاد آ رہا ہو گا اور یہ بات بری طرح کھل رہی ہو گی کہ مشرکین قریش نے ان پر مسجد حرام کا راستہ تک بند کر دیا ہے۔ اس زمانے میں

وہ اس بات کے بھی منتظر ہوں گے کہ جن ظالموں نے ان کو گھروں سے نکالا، مسجد حرام کی زیارت سے محروم کیا، اور خدا کا راستہ اختیار کرنے پر ان کی زندگی تک دشوار کر دی، ان کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت مل جائے۔ یہ ٹھیک نفسیاتی موقع تھا ان آیات کے نزول کا۔ ان میں پہلے توحیح کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مسجد حرام اس لیے بنائی گئی تھی اور یہ حج کا طریقہ اس لیے شروع کیا گیا تھا کہ دنیا میں خدا نے واحد کی بندگی کی جائے، مگر آج وہاں شرک ہو رہا ہے اور خدا نے واحد کی بندگی کرنے والوں کے لیے اس کے راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ ان ظالموں کے خلاف جنگ کریں اور انہیں بے دخل کر کے ملک میں وہ نظام صالح قائم کریں جس میں برائیاں دبیں اور نیکیاں فروغ پائیں۔ ابن عباس[ؓ]، مجاهد، عَزَّوَهُ بْنُ زُبِيرٍ، زید بْنُ اسْلَمْ، مقاتل بْنُ حيَانْ، قتادہ اور دوسرے اکابر مفسرین کا بیان ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ اور حدیث و سیرت کی روایات سے ثابت ہے کہ اس اجازت کے بعد فوراً ہی قریش کے خلاف عملی سرگرمیاں شروع کر دی گئیں اور پہلی مہم صفر 2ھ میں ساحل بحر احمر کی طرف روانہ ہوئی جو غزوہ و دان یا غزوہ آکواء کے نام سے مشہور ہے۔

موضوع و مبحث:

اس سورہ میں تین گروہ مخاطب ہیں۔ مشرکین مکہ، مذنب اور متعدِ مسلمان، اور مومنین صادقین۔ مشرکین سے خطاب کی ابتدائی میں کی گئی اور مدینے میں اس کا سلسلہ پورا کیا گیا۔ اس خطاب میں ان کو پورے زور کے ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ تم نے ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنے بے بنیاد جاہلناہ خالات پر اصرار کیا، خدا کو چھوڑ کر ان معبدوں پر اعتماد کیا جن کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، اور خدا کے

رسول ﷺ کو جھٹلا دیا۔ اب تمہارا انعام وہی کچھ ہو کر رہے ہے گاجو تم سے پہلے اس روشن پر چلنے والوں کا ہو چکا ہے۔ نبی کو جھٹلا کر اور اپنی قوم کے صالح ترین عضر کو نشانہ ستم بنانے کر تم نے اپنی ہی کچھ بگاڑی۔ اس کے نتیجے میں خدا کا جو غصب تم پر نازل ہو گا اس سے تمہارے بناؤں معبود تمہیں نہ بچا سکیں گے۔ اس تنیبیہ و انذار کے ساتھ افہام و تفہیم کا پہلو بالکل خالی نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ پوری سورۃ میں جگہ جگہ تذکیر اور نصیحت بھی ہے اور شرک کے خلاف اور توحید و آخرت کے حق میں موثر دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔

مذنب مسلمان، جو خدا کی بندگی قبول تو کر چکے تھے مگر اس راہ میں کوئی خطرہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، ان کو خطاب کرتے ہوئے سخت سرزنش کی گئی ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ یہ آخر کیسا ایمان ہے کہ راحت، مسرت، عیش نصیب ہو تو خدا تمہارا خدا اور تم اس کے بندے۔ مگر جہاں خدا کی راہ میں مصیبت آئی اور سختیاں جھیلیں پڑیں، پھر نہ خدا تمہارا خدا اور نہ تم اس کے بندے رہے۔ حالانکہ تم اپنی اس روشن سے کسی ایسی مصیبت اور نقصان اور تکلیف کو نہیں ٹال سکتے جو خدا نے تمہارے نصیب میں لکھ دی ہو۔

اہل ایمان سے خطاب دو طریقوں پر کیا گیا ہے۔ ایک خطاب ایسا ہے جس میں وہ خود بھی مخاطب ہیں اور عرب کی رائے عام بھی۔ اور دوسرے خطاب میں صرف اہل ایمان مخاطب ہیں۔

پہلے خطاب میں مشرکین مکہ کی اس روشن پر گرفت کی گئی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے، حالانکہ مسجد حرام ان کی ذاتی جائیداد نہیں ہے اور وہ کسی کو حج سے روکنے کا حق نہیں رکھتے۔ یہ اعتراض نہ صرف یہ کہ بجائے خود حق بجانب تھا، بلکہ سیاسی حیثیت سے یہ قریش کے خلاف ایک بہت بڑا حرہ بھی تھا۔ اس سے عرب کے تمام دوسرے قبائل کے ذہن میں یہ سوال پیدا کر دیا گیا کہ قریش حرم کے مجاور ہیں یا مالک؟ اگر آج اپنی ذاتی دشمنی کی بنا پر وہ ایک گروہ کو حج سے روک دیتے ہیں اور اس کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو کیا بعید ہے کہ کل جس سے بھی ان کے تعلقات خراب ہوں اس کو وہ حدود

حرم میں داخل ہونے سے روک دیں اور اس کا عمرہ و حج بند کر دیں۔ اس سلسلے میں مسجد حرام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک طرف یہ بتایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا کے حکم سے اس کو تعمیر کیا تھا تو سب لوگوں کو حج کا اذن عام دیا تھا، اور وہاں اول روز سے مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق یکساں قرار دیے گئے تھے۔ دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ گھر شرک کے لیے نہیں بلکہ خدائے واحد کی بندگی کے لیے تعمیر ہوا تھا۔ اب یہ کیا غصب ہے کہ وہاں ایک خدا کی بندگی تو ہو ممنوع اور بتوں کی پرستش کے لیے ہو پوری آزادی۔

دوسرے خطاب میں مسلمانوں کو قریش کے ظلم کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت عطا کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب تمہیں اقتدار حاصل ہو تو تمہاری روشن کیا ہونی چاہیے اور اپنی حکومت میں تم کو کس مقصد کے لیے کام کرنا چاہیے۔ یہ مضمون سورہ کے وسط میں بھی ہے اور آخر میں بھی۔ آخر میں گروہ اہل ایمان کے لیے ”مسلم“ کے نام کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ ابراہیمؐ کے اصل جانشین تم لوگ ہو، تمہیں اس خدمت کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے کہ دنیا میں شہادت علیؑ الناس کے مقام پر کھڑے ہو، اب تمہیں اقامت صلوٰۃ، ایتاۓ زکوٰۃ اور فعل الخیرات سے اپنی زندگی کو بہترین نمونے کی زندگی بنانا چاہیے۔ اور اللہ کے اعتماد پر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا چاہیے۔

اس موقعہ پر سورہ بقرہ اور سورہ انفال کے دیباچوں پر بھی نگاہ ڈال لی جائے تو سمجھنے میں زیادہ سہولت ہو گی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَكْعٌ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذَاهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ كَمَا
أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتٍ حَمِيلٍ حَمِيلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكْرًا وَمَا هُمْ بِسُكْرٍ وَلَكِنَّ عَذَابَ
اللَّهِ شَدِيدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَبَعِ كُلَّ شَيْطَنٍ مَرِيدٍ ﴿٣﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ
أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّهُ فَأَنَّهُ يُضْلَلُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ
الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ
لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقْرِنُ فِي الْأَرْضِ مَا نَشَاءُ إِلَى آجَلٍ مُسَيَّرٍ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبْلُغُوا
أَشْدَادَكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرْدَى إِلَى أَرْذَلِ الْعُرْمِ كَيْلًا يَعْلَمُ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا
وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَرَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بِهِيجٍ ﴿٥﴾
ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحِيِّ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦﴾ وَأَنَّ السَّاعَةَ أَتِيَةٌ لَا رَيْبَ
فِيهَاٰ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبورِ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا
كِتْبٍ مُّنِيرٍ ﴿٨﴾ ثَانِي عِطْفَهِ لِيُضِلَّ حَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِرْبٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٩﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿١٠﴾

دکوٰں

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

لوگو، اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ **۱** جس روز تم اُسے دیکھو گے، حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچ سے غافل ہو جائے گی، **۲** ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا، اور لوگ تم کو مدھوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔ **۳**

بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں **۴** اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اُس کے توصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذابِ جہنم کا راستہ دکھائے گا۔ لوگو، اگر تمہیں زندگی بعدِ موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے **۵**، پھر خون کے لوٹھرے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ **۶** یہ ہم اس لیے بتارے ہیں کہ تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک وقتِ خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں **۷** پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں **۸** تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس ملا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اُس پر مینہ بر سایا کہ یکا یک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر بنا تات اُگلنی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر

ہے، اور یہ ﴿اس بات کی دلیل ہے﴾ کہ قیامت کی گھٹری آکر رہے گی، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اور اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھانے گا جو قبروں میں جا پکے ہیں۔⁹

بعض اور لوگ ایسے ہیں کہ کسی علم ¹⁰ اور روشنی بخشنے والی کتاب ¹¹ کے بغیر، گردن اکٹائے ہوئے ¹³، خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں تاکہ لوگوں کو راہِ خدا سے بھٹکا دیں۔ ¹⁴ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور قیامت کے روز اُس کو ہم آگ کے عذاب کا مزا اچکھائیں گے۔۔۔ یہ ہے تیراواہ مستقبل جو تیرے اپنے ہاتھوں نے تیرے لیے تیار کیا ہے ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔^{۱۶}

سورة الحج حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہ زلزلہ قیامت کی ابتدائی کیفیات میں سے ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس کا وقت وہ ہو گا جبکہ زمین یا کایک الٹی پھر نی شروع ہو جائے گی اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ یہ بات قدیم مفسرین میں سے علّقہ اور شعبی نے بیان کی ہے کہ یکون ذلک عند طلوع الشیس من مغیرها۔ اور یہی بات اس طویل حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ نفح صور کے تین موقع ہیں۔ ایک نفح فزع، دوسرا نفح صعق اور تیسرا نفح قیام رب العالمین۔ یعنی پہلا نفح عام سراسیمگی پیدا کرے گا، دوسرا نفح پر سب مر کر گر جائیں گے اور تیسرا نفح پر سب لوگ زندہ ہو کر خدا کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ پھر پہلے نفح کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ بتاتے ہیں کہ اس وقت زمین کی حالت اس کشتنی کی سی ہو گی جو موجودوں کے تھیڑے کھا کر ڈگ کارہی ہو، یا اس معلق قندیل کی سی جس کو ہوا کے جھونکے بری طرح جھنجھوڑ رہے ہوں۔ اس وقت زمین کی آبادی پر جو کچھ گزرے گی اس کا نقشہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کھینچا گیا ہے۔ مثلاً

فَإِذَا نَفَخْتُ فِي الصُّورِ نَفْخَةً وَاحِدَةً ۝ وَحِيلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَ أَدَكَّةً وَاحِدَةً ۝
فَيَوْمَ يُبَدِّلُ وَقَعَتِ الْوَاقْعَةُ ۝ (الحاقة) "پس جب صور میں ایک پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی چوتھیں میں توڑ دیے جائیں گے تو وہ واقعہ عظیم پیش آجائے گا"۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۚ وَآخْرَجَتِ الْأَرْضُ آثْقَالَهَا ۖ وَقَالَ إِلَيْنَا سَانُ مَا لَهَا ۝
 (الزلزال) "جب کہ زمین پوری کی پوری ہلا ماری جائے گی، اور وہ اپنے پیٹ کے بوجھ نکال پھینکے گی، انسان کہے گا یہ اس کو کیا ہو رہا ہے" -

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ جَهَنَّمُ تَتَبَعُهَا الرَّأْدَةُ قُلُوبٌ يَوْمَ مِيزٰنٍ وَاجْهَةٌ أَبْصَارُهَا خَاسِعَةٌ ۝
 (النزعات) "جس روز ہلامارے گاز لزلے کا ایک جھٹکا اور اس کے بعد دوسرا جھٹکا، اس دن دل کانپ رہے ہوں گے اور نگاہیں خوف زدہ ہوں گی" -

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجَّا ۝ وَبُسَّتِ الْجِبَانُ بَسَّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثِثًا ۝
 (الواقع) "جس روز میں جھنجھوڑ ڈالی جائے گی اور پھاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے" -

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرُتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلَدَانَ شِيْبَانَ ۝ السَّيَّاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۝
 (المزمول)
 "اگر تم نے پیغمبر کی بات نہ مانی تو کیسے بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی شدت سے آسمان پھٹا پڑتا ہو گا" -

اگرچہ بعض مفسرین نے اس زلزلے کا وقت وہ بتایا ہے جبکہ مردے زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور اس کی تائید میں متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں، لیکن قرآن کا صریح بیان ان روایات کو قبول کرنے میں مانع ہے قرآن اس کا وقت وہ بتا رہا ہے جبکہ ماں میں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوں گی، اور پیٹ والیوں کے پیٹ گر جائیں کے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی زندگی میں نہ کوئی عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو گی اور نہ کسی حاملہ کے وضع حمل یا استقطاط کا کوئی موقع ہو گا، کیونکہ قرآن

کی واضح تصریحات کی رو سے وہاں سب رشتہ منقطع ہو چکے ہوں گے اور ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے خدا کے سامنے حساب دینے کے لیے کھڑا ہو گا۔ لہذا قابل ترجیح وہی روایات ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے۔ اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے۔ اور یہ دوسری روایات گو سنداًقوی تر ہیں، لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 2 ▲

آیت میں **مُرْضِعَ** کے بجائے **مُرْضِعَةٍ** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عربیت کے لحاظ سے دونوں میں فرق یہ ہے کہ **مُرْضِع** اس عورت کو کہتے ہیں جو دودھ پلانے والی ہو، اور **مُرْضِعَةٍ** اس حالت میں بولتے ہیں جبکہ وہ بالفعل دودھ پلار ہی ہو اور بچہ اس کی چھاتی منہ میں لیے ہوئے ہو۔ پس یہاں نقشہ یہ کھینچا گیا ہے کہ جب وہ قیامت کا زلزلہ آئے گا تو ماں میں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے چھوڑ کر بھاگ نکلیں گی اور کسی ماں کو یہ ہوش نہ رہے گا کہ اس کے لاذلے پر کیا گزری۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 3 ▲

واضح رہے کہ یہاں اصل مقصود کلام قیامت کا حال بیان کرنا نہیں ہے بلکہ خدا کے عذاب کا خوف دلا کر ان باتوں سے بچنے کی تلقین کرنا ہے جو اس کے غصب کی موجب ہوتی ہیں۔ لہذا قیامت کی اس مختصر کیفیت کے بعد آگے اصل مقصود پر گفتگو شروع ہوتی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 4 ▲

آگے کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اللہ کے بارے میں ان کے جس جھگٹرے پر گفتگو کی جارہی ہے وہ اللہ کی ہستی اور اس کے وجود کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے حقوق اور اختیارات اور اس کی بھیجی ہوئی تعلیمات کے بارے میں تھا۔ نبی ﷺ ان سے توحید اور آخرت منوانا چاہتے تھے، اور اسی پر وہ آپ ﷺ

سے جھگڑتے تھے۔ ان دونوں عقیدوں پر جھگڑا آخر کار جس چیز پر جا کر رہ تا وہ یہی تھی کہ خدا کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں کر سکتا، اور یہ کہ کائنات میں آیا خدا ای صرف ایک خدا ہی کی ہے یا کچھ دوسری ہستیوں کی بھی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 5 ▲

اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ہر انسان ان مادوں سے پیدا کیا جاتا ہے جو سب کے سب زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور اس تخلیق کی ابتدائی نطفے سے ہوتی ہے۔ یا یہ کہ نوع انسانی کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا جو براہ راست مٹی سے بنائے گئے تھے، اور پھر آگے نسل انسانی کا سلسلہ نطفے سے چلا، جیسا کہ سورہ سجدہ میں فرمایا:

وَبَدَأَخْلُقُ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَةً مِنْ سُلْلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ (آیات 7-8)

"انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک ست سے چلائی جو حقیر پانی کی شکل میں نکلتا ہے"

سورة الحج حاشیہ نمبر: 6 ▲

یہ اشارہ ہے ان مختلف اطوار کی طرف جن سے ماں کے پیٹ میں بچہ گزرتا ہے۔ ان کی وہ تفصیلات بیان نہیں کی گئیں جو آج کل صرف طاقت ور خورد بینوں ہی سے نظر آسکتی ہیں، بلکہ ان بڑے بڑے نمایاں تغیرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اس زمانے کے عام بدو بھی واقف تھے۔ یعنی نطفہ قرار پانے کے بعد ابتداء جمے ہوئے خون کا ایک لو تھڑا سا ہوتا ہے، پھر وہ گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہوتا ہے جس میں پہلے شکل صورت کچھ نہیں ہوتی اور آگے چل کر انسانی شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسقاط کی مختلف حالتوں میں چونکہ تخلیق انسانی کے یہ سب مرحلے لوگوں کے مشاہدے میں آتے تھے، اس لئے انہی کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے علم الجنبین کی تفصیلی تحقیقات کی نہ اس وقت ضرورت تھی نہ آج ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 7 ▲

یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جس میں آدمی کو اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ وہی شخص جو دوسروں کو عقل بتاتا تھا، بوڑھا ہو کر اس حالت کو پہنچ جاتا ہے جو بچے کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے۔ جس علم و واقفیت اور تجربہ کاری وجہاں دیدگی پر اس کونا ز تھا وہ ایسی بے خبری میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ بچے تک اس کی باقیا پر ہنسنے لگتے ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 8 ▲

اس سلسلہ کلام میں یہ فقرہ تین معنی دے رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ ہی سچا ہے اور تمہارا یہ گمان محض باطل ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو۔ وہ نرا فلسفیوں کے خیال کا آفریدہ، واجب الوجود اور علت العلل (First Cause) ہی نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی فاعل مختار ہے جو ہر آن اپنی قدرت، اپنے ارادے، اپنے علم اور اپنی حکمت سے پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ کھلنڈ را نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے کھلوٹے بنائے اور پھر یوں نہیں توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دے۔ وہ حق ہے، اس کے سب کام سنجیدہ اور با مقصد اور پر حکمت ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 9 ▲

إن آیات میں انسان کی پیدائش کے مختلف اطوار، زمین پر بارش کے اثرات، اور نباتات کی پیداوار کو پانچ حقیقوں کی نشان دہی کرنے والے دلائل قرار دیا گیا ہے:

1. یہ کہ اللہ ہی حق ہے،

2. یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے،
 3. یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے،
 4. یہ کہ قیامت کی گھڑی آکر رہے گی، اور
 5. یہ کہ اللہ ضرور ان سب لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو مر چکے ہیں۔
- اب دیکھیے کہ یہ آثار ان پانچوں حقیقوں کی کس طرح نشان دہی کرتے ہیں:

پورے نظام کائنات کو چھوڑ کر آدمی صرف اپنی ہی پیدائش پر غور کرے تو معلوم ہو جائے کہ ایک ایک انسان کی ہستی میں اللہ کی حقیقی اور واقعی تدبیر ہر وقت بالفعل کار فرمائے ہے اور ہر ایک کے وجود اور نشوونما کا ایک ایک مرحلہ اس کے ارادی فیصلے پر ہی طے ہوتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک لگے بند ہے قانون پر ہو رہا ہے جس کو ایک اندھی بہری بے علم و بے ارادہ فطرت چلا رہی ہے۔ لیکن وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انہیں نظر آئے کہ ایک ایک فرد انسانی جس طرح وجود میں آتا ہے اور پھر جس طرح وہ وجود کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اس میں ایک حکیم و قادر مطلق ہستی کا ارادی فیصلہ کس شان سے کام کر رہا ہے۔ آدمی جو غذا کھاتا ہے اس میں کہیں انسانی تختم موجود نہیں ہوتا، نہ اس میں کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو نفس انسانی کے خواص پیدا کرتی ہو۔ یہ غذا جسم میں جا کر کہیں بال، کہیں گوشت اور کہیں ہڈی بنتی ہے، اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہی اس نطفے میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے اندر انسان بننے کی استعداد رکھنے والے تختم موجود ہوتے ہیں۔ ان تھنوں کی کثرت کا حال یہ ہے کہ ایک وقت میں مرد سے جتنا نطفہ خارج ہوتا ہے اس کے اندر کئی کروڑ تختم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بیضہ انثی سے مل کر انسان بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر یہ کسی حکیم و قدیر اور حاکم مطلق کا فیصلہ ہے جو ان بے شمار امیدواروں میں سے کسی ایک کو کسی خاص وقت پر چھانٹ کر بیضہ انثی سے ملنے کا موقع دیا ہے اور اس طرح استقرار

حمل رونما ہوتا ہے۔ پھر استقرار کے وقت مرد کے تخم اور عورت کے بیضی خلیے (Egg Cell) کے ملنے سے جو چیز ابتداءً بنتی ہے وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خورد بین کے بغیر نہیں دیکھی جاسکتی۔ یہ حقیر سی چیز 9 مہینے اور چند روز میں رحم کے اندر پرورش پا کر جن بے شمار مرحلوں سے گزرتی ہوئی ایک جیتے جا گتے انسان کی شکل اختیار کرتی ہے ان میں سے ہر مرحلے پر غور کرو تو تمہارا دل گواہی دے گا کہ یہاں ہر آن ایک حکیم فعال کا ارادی فیصلہ کام کرتا رہا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے تمکیل کو پہنچانا ہے اور کسے خون کے لو تھڑے، یا گوشت کی بوٹی، یا ناتمام بچے کی شکل میں ساقط کر دینا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو زندہ نکالنا ہے اور کس کو مردہ۔ کس کو معمولی انسان کی صورت وہیت میں نکالنا ہے اور کسے ان گنت غیر معمولی صورتوں میں سے کوئی صورت دے دینی ہے۔ کس کو صحیح و سالم نکالنا ہے اور کسے اندھا، بہرا، گونگا یا ٹنڈا اور لجابنا کر پھینک دینا ہے۔ کس کو خوبصورت بنانا ہے اور کسے بد صورت۔ کس کو مرد بنانا ہے اور کس کو عورت۔ کس کو اعلیٰ درجے کی قوتیں اور صلاحیتیں دے کر بھیجننا ہے اور کسے کو دن اور کندڑہن پیدا کرنا ہے۔ یہ تخلیق و تشکیل کا عمل، جو ہر روز کروڑوں عورتوں کے رحموں میں ہو رہا ہے، اس کے دوران میں کسی وقت کسی مرحلے پر بھی ایک خدا کے سوادنیا کی کوئی طاقت ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتی، بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس پیٹ میں کیا چیز بن رہی ہے اور کیا بن کر نکلنے والی ہے۔ حالانکہ انسانی آبادیوں کی قسمت کے کم از کم 90 فی صدی فیصلے ان ہی مراحل میں ہو جاتے ہیں اور یہیں افراد ہی کے نہیں، قوموں کے، بلکہ پوری نوع انسانی کی مستقبل کی شکل بنائی اور بگاڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد بچے دنیا میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ کسے زندگی کا پہلا سانس لیتے ہی ختم ہو جانا ہے، کسے بڑھ کر جوان ہونا ہے، اور کس کو قیامت کے بوریے سمیئے ہیں؟ یہاں بھی ایک غالب ارادہ کا فرمایا نظر آتا ہے اور غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی کار فرمائی کسی عالمگیر تدبیر و حکمت پر مبنی ہے جس

کے مطابق وہ افراد ہی کی نہیں، قوموں اور ملکوں کی قسمت کے بھی فصلے کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کسی کو اس امر میں شک ہے کہ اللہ "حق" ہے اور صرف اللہ ہی "حق" ہے تو بے شک وہ عقل کا انداز ہے۔

دوسری بات جو پیش کردہ آثار سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ "اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے"۔ لوگوں کو تو یہ سن کر اچنچا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انہیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مردے جلا رہا ہے۔ جن مادوں سے آپ کا جسم بنتا ہے اور جن غذاوں سے وہ پرورش پاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ نمکیات، کچھ ہوا نہیں، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفس انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر ان ہی مردہ، بے جان مادوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاتا وجد بنا دیا گیا ہے۔ پھر انہی مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مردوں میں وہ تخلیم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جائیں جان روز بُن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گرد و پیش کی زمین پر نظر ڈالیے۔ بے شمار مختلف چیزوں کے بیچ تھے جن کو ہواں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوند خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی بناتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گرد و پیش کی سوکھی زمین ان لاکھوں مردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جو نہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہنانے لگی، ہر مردہ جڑاپنی قبر سے جی اٹھی، اور ہر بے جان بیچ ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیاء اموات کا عمل ہر بر سات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

تیسرا چیز جو ان مشاہدات سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ "اللہ ہر چیز پر قادر ہے" ساری کائنات کو چھوڑ کر صرف اپنی اسی زمین کو لے لیجیے، اور زمین کے بھی تمام حقائق و واقعات کو چھوڑ کر صرف انسان اور

نباتات ہی کی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھ لجیے۔ یہاں اس کی قدرت کے جو کرشمے آپ کو نظر آتے ہیں کیا انہیں دیکھ کر کوئی صاحب عقل آدمی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا بس وہی کچھ کر سکتا ہے جو آج ہم اسے کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اور کل اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا؟ خدا تو خیر بہت بلند و برتر ہستی ہے، انسان کے متعلق پچھلی صدی تک لوگوں کے یہ اندازے تھے کہ یہ صرف زمین ہی پر چلنے والی گاڑیاں بناسکتا ہے، ہوا پر اڑنے والی گاڑیاں بنانا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ مگر آج کے ہوائی جہازوں نے بتا دیا کہ انسان کے "امکانات" کی حدیں تجویز کرنے میں ان کے اندازے کتنے غلط تھے۔ اب اگر کوئی شخص خدا کے لیے اُس کے صرف آج کے کام دیکھ کر امکانات کی کچھ حدیں تجویز کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا، تو وہ صرف اپنے ہی ذہن کی شنگی کا ثبوت دیتا ہے، خدا کی قدرت بہر حال اس کی باندھی ہوئی حدود میں بند نہیں ہو سکتی۔

چوتھی اور پانچویں بات، یعنی یہ کہ "قیامت کی گھٹری آکر رہے گی" اور یہ کہ "اللہ ضرور ان سب لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو مر چکے ہیں"، ان تین مقدمات کا عقلی نتیجہ ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کے کاموں کو اس کی قدرت کے پہلو سے دیکھیے تو دل گواہی دے گا کہ وہ جب چاہے قیامت برپا کر سکتا ہے اور جب چاہے ان سب مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے جن کو پہلے وہ عدم سے وجود میں لا یا تھا۔ اور اگر اس کے کاموں کو اس کی حکمت کے پہلو سے دیکھیے تو عقل شہادت دے گی کہ یہ دونوں کام بھی وہ ضرور کر کے رہے گا کیونکہ ان کے بغیر حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور ایک حکیم سے یہ بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ جو محدودی حکمت و دانائی انسان کو حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنامال یا جائیداد یا کاروبار جس کے سپرد بھی کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے۔ گویا امانت اور محابی کے درمیان ایک لازمی عقلی رابطہ ہے جس کو انسان کی محدود حکمت بھی کسی حال میں نظر

انداز نہیں کرتی۔ پھر اسی حکمت کی بنابر آدمی ارادی اور غیر ارادی افعال کے درمیان فرق کرتا ہے، ارادی افعال کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور وابستہ کرتا ہے، افعال میں نیک اور بد کی تمیز کرتا ہے "، اچھے افعال کا نتیجہ تحسین اور انعام کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، اور برعے افعال پر سزا کا تقاضا کرتا ہے، حتیٰ کہ خود ایک نظام عدالت اس غرض کے لیے وجود میں لاتا ہے۔ یہ حکمت جس خالق نے انسان میں پیدا کی ہے، کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہو گا۔ کیا مانا جاسکتا ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا اتنے سرو سامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہے، اس کا حساب وہ کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے جوبرے اعمال سزا سے نج نکلے ہیں، یا جن برائیوں کی متناسب سزا سے نہیں مل سکی ہے ان کی باز پرس کے لیے کبھی عدالت قائم نہ ہو گی، اور جو بھلا بیاں اپنے منصفانہ انعام سے محروم رہ گئی ہیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اور زندگی بعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضا ہے جس کا پورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سر اسر بعید از عقل ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 10 ▲

یعنی وہ ذاتی واقفیت جو براہ راست مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوئی ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 11 ▲

یعنی وہ واقفیت جو کسی دلیل سے حاصل ہوئی ہو یا کسی علم رکھنے والے کی رہنمائی سے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 12 ▲

یعنی وہ واقفیت جو خدا کی نازل کردہ کتاب سے حاصل ہوئی ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 13 ▲

اس میں تین کیفیتیں شامل ہیں: جاہلانہ ضد اور ہٹ دھرمی۔ تکبر اور غرور نفس۔ اور کسی سمجھانے والے کی بات کی طرف التفات نہ کرنا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 14 ▲

پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جو خود گمراہ ہیں۔ اور اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو خود ہی گمراہ نہیں ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر تلے رہتے ہیں۔

QuranUrdu.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ أَطْمَانَ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ ا�ْقَلَبَ
 عَلَى وَجْهِهِ خَسِيرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿١﴾ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا
 يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ذَلِكَ هُوَ الظَّلْلُ الْبَعِيدُ ﴿٢﴾ يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ لِئَسَ
 الْمُؤْلِي وَلِئَسَ الْعَشِيرُ ﴿٣﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلَاحَتِ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعُلُ مَا يُرِيدُ ﴿٤﴾ مَنْ كَانَ يَظْنُ أنَّ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
 فَلَيَمْدُدْ دِسَابِيلَ السَّمَاءِ ثُمَّ لَيَقْطَعُ فَلَيَنْظُرْ هَلْ يُذَهِّبُنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿٥﴾ وَكَذِلِكَ أَنْزَلْنَاهُ
 أَيْتٍ بَيْنَتِي وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَ
 النَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ﴿٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 شَهِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَ
 الْجِبَائُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهَنَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ
 مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعُلُ مَا يَشَاءُ ﴿٩﴾ هَذِنِ خَصْنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ
 لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَارٍ يُصَبَّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٠﴾ يُصَهَّرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿١١﴾ وَلَهُمْ
 مَّقَامٌ مِّنْ حَدِيدٍ ﴿١٢﴾ كُلَّمَا آتَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ

دکو٤ ۲

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ بندگی کرتا ہے، ¹⁵ اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آگئی تو اٹا پھر گیا۔ ¹⁶ اُس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے صریح خسارہ۔ ¹⁷ پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جونہ اُس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ، یہ ہے مگر اسی کی انتہا۔ وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے، ¹⁸ بدترین ہے اُس کا مولیٰ اور بدترین ہے اُس کا رفیق۔ ¹⁹ اس کے بر عکس ^{۲۰} اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، ^{۲۱} یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ ²² جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اُس کی کوئی مدد نہ کرے گا اُسے چاہیے کہ ایک رسیٰ کے ذریعے آسمان تک پہنچ کر شگاف لگائے، پھر دیکھ لے کہ آیا اُس کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کر سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔ ایسی ہی کھلی کھلی باتوں کے ساتھ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے، اور ہدایت اللہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

جو لوگ ایمان لائے، ²³ اور جو یہودی ہوئے، ²⁴ اور صابئی، ²⁵ اور نصاریٰ، ²⁶ اور مجوس ²⁷، اور جن لوگوں نے شرک کیا، ²⁸ ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا، ²⁹ ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں ³⁰ وہ سب جو آسمانوں میں ہیں ³¹ اور جوز میں میں ہیں؟ سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان ³² اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ³³ اور جسے اللہ ذلیل و خوار کر دے اُسے پھر کوئی عزّت دینے والا نہیں ہے ³⁴، اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ ³⁵ السجدة

یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ ³⁶ ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا اُن کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا پکے ہیں، ³⁷ اُن کے سروں پر کھولتا ہوا اپنی ڈالا جائے گا جس سے اُن کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے، اور اُن کو خبر لینے کے لیے لوہے کے گُرز ہوں گے۔ جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اُسی میں دھکیل دیے جائیں گے کہ چکھواب جلنے کی سزا کا مزہ۔ ۲۶

سورة الحج حاشیہ نمبر: 15 ▲

یعنی دائرہ دین کے وسط میں نہیں بلکہ کنارے پر، یا بالفاظ دیگر کفر و اسلام کی سرحد پر کھڑا ہو کر بندگی کرتا ہے۔ جیسے ایک مذنب آدمی کسی فونج کے کنارے پر کھڑا ہو، اگر فتح ہوتی دیکھئے تو ساتھ آ ملے اور شکست ہوتی دیکھئے تو چپکے سے سٹک جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 16 ▲

اس سے مراد ہیں وہ خام سیرت، مضطرب العقیدہ اور بندہ نفس لوگ جو اسلام قبول تو کرتے ہیں مگر فائدے کی شرط کے ساتھ۔ ان کا ایمان اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ ان کی مرادیں پوری ہوتی رہیں، ہر طرح چین ہی چین نصیب ہو، نہ خدا کا دین ان سے کسی قربانی کا مطالبہ کرے، اور نہ دنیا میں ان کی کوئی خواہش اور آرزو پوری ہونے سے رہ جائے۔ یہ ہو تو خدا سے وہ راضی ہیں اور اس کا دین ان کے نزدیک بہت اچھا ہے۔ لیکن جہاں کوئی آفت آئی، یا خدا کی راہ میں کسی مصیبت اور مشقت اور نقصان سے سابقہ پیش آگیا، یا کوئی تمنا پوری ہونے سے رہ گئی، پھر ان کو خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت اور دین کی حقانیت، کسی چیز پر بھی اطمینان نہیں رہتا۔ پھر وہ ہر اس آستانے پر جھکنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جہاں سے ان کو فائدے کی امید اور نقصان سے نجات کی توقع ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 17 ▲

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے جو چند لفظوں میں بیان کر دی گئی ہے۔ مذنب مسلمان کا حال در حقیقت سب سے بدتر ہوتا ہے۔ کافرا پنے رب سے بے نیاز، آخرت سے بے پروا، اور قوانین اللہ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر جب یکسوئی کے ساتھ مادی فائدوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو چاہے وہ اپنی آخرت کھودے، مگر دنیا تو کچھ نہ کچھ بنای لیتا ہے۔ اور مومن جب پورے صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ خدا کے دین کی پیروی کرتا ہے تو اگرچہ دنیا کی کامیابی بھی آخر کار اس کے قدم چوم کر رہتی ہے، تاہم اگر دنیا بالکل ہی اس کے

ہاتھ سے جاتی رہے، آخرت میں بہر حال اس کی فلاج و کامرانی پیشی ہے۔ لیکن یہ مذنب مسلمان نہ اپنی دنیا ہی بناسکتا ہے اور نہ آخرت ہی میں اس کے لیے فلاج کا کوئی امکان ہے۔ دنیا کی طرف لپکتا ہے تو کچھ نہ کچھ خدا اور آخرت کے ہونے کا گمان جو اس کے دل و دماغ کے کسی کونے میں رہ گیا ہے، اور کچھ نہ کچھ اخلاقی حدود کا لحاظ جو اسلام سے تعلق نہ پیدا کر دیا ہے، اس کا دامن کھینچتا رہتا ہے، اور خالص دنیا طلبی کے لیے جس یکسوئی و استقامت کی ضرورت ہے وہ کافر کی طرح اسے بہم نہیں پہنچتی۔ آخرت کا خیال کرتا ہے تو دنیا کے فائدوں کا لائق اور نقصانات کا خوف، اور خواہشات پر پابندیاں قبول کرنے سے طبیعت کا انکار اس طرف جانے نہیں دیتا بلکہ دنیا پرستی اس کے عقیدے اور عمل کو اتنا کچھ بگاڑ دیتی ہے کہ آخرت میں اس کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں رہتا۔ اس طرح وہ دنیا بھی کھوتا ہے اور آخرت بھی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 18 ▲

پہلی آیت میں معبد ان غیر اللہ کے نافع و ضار ہونے کی قطعی نفی کی گئی ہے، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی نفع و ضرر کی قدرت نہیں رکھتے۔ دوسری آیت میں ان کے نقصان کو ان کے نفع سے قریب تر بتایا گیا ہے، کیونکہ ان سے دعا نہیں مانگ کر اور ان کے آگے حاجت روائی کے لیے ہاتھ پھیلا کر وہ اپنا ایمان تو فوراً اور یقیناً کھو دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ نفع اسے حاصل ہو جس کی امید پر اس نے انہیں پکارا تھا، تو حقیقت سے قطع نظر، ظاہر حال کے لحاظ سے بھی وہ خود مانے گا کہ اس کا حصول نہ تو پیشی ہے اور نہ قریب الوقوع۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کو مزید فتنے میں ڈالنے کے لیے آستانے پر اس کی مراد بر لائے، اور ہو سکتا ہے کہ اس آستانے پر وہ اپنا ایمان بھی بھینٹ چڑھا آئے اور اپنی مراد بھی نہ پائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 19 ▲

یعنی جس نے بھی اس کو اس راستے پر ڈالا، خواہ وہ کوئی انسان ہو یا شیطان، وہ بدترین کار ساز و سر پرست اور بدترین دوست اور ساختی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 20 ▲

یعنی جن کا حال اس مطلب پرست، مذدب اور بے یقین مسلمان کا سا نہیں ہے، بلکہ جو ٹھنڈے دل سے خوب سوچ سمجھ کر خدا اور رسول ﷺ اور آخرت کو مانے کا فیصلہ کرتے ہیں، پھر ثابت قدیمی کے ساتھ راہ حق پر چلتے پھرتے ہیں، خواہ اچھے حالات سے سابقہ پیش آئے یا برے حالات سے، خواہ مصائب کے پھاڑ ٹوٹ پڑیں یا انعامات کی بار شیں ہونے لگیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 21 ▲

یعنی اللہ کے اختیارات غیر محدود ہیں۔ دنیا میں، یا آخرت میں، یادوں تو جگہ، وہ جس کو جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے جو کچھ چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں۔ نہ دینا چاہے تو کوئی دلوانے والا نہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 22 ▲

اس آیت کی تفسیر میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں۔ مختلف مفسرین کے بیان کردہ مطالب کا خلاصہ یہ ہے :

1. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (یعنی محمد ﷺ کی) مدد نہ کرے گا، وہ چھت سے رسی باندھ کر خود کشی کر لے۔
2. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (یعنی محمد ﷺ کی) مدد نہ کرے گا، وہ کسی رسی کے ذریعے آسمان پر جائے اور مدد بند کرانے کی کوشش کر دیکھے۔
3. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (یعنی محمد ﷺ کی) مدد نہ کرے گا، وہ آسمان پر جا کر وحی کا سلسلہ منقطع کرنے کی کوشش کر دیکھے۔

4. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (محمد ﷺ کی) مدد نہ کرے گا، وہ آسمان پر جا کر اس کا رزق بند کرنے کی کوشش کر دیکھے۔

5. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (یعنی خود اس طرح کا خیال کرنے والے) مدد نہ کرے گا، وہ اپنے گھر کی چھت سے رسی لٹکائے اور خود کشی کر لے۔

6. جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اس کی (یعنی خود اس طرح کا خیال کرنے والے کی) مدد نہ کرے گا، وہ آسمان تک پہنچ کر مدد لانے کی کوشش کر دیکھے۔

7. ان میں سے پہلے چار مفہومات تو بالکل ہی سیاق و سباق سے غیر متعلق ہیں۔ اور آخری دو مفہوم اگرچہ سیاق و سباق سے قریب تر ہیں، لیکن کلام کے ٹھیک مدعاتک نہیں پہنچتے۔ سلسلہ تقریر کو نگاہ میں رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کرنے والا شخص وہی ہے جو کنارے پر کھڑا ہو کر بندگی کرتا ہے، جب تک حالات اتحھے رہتے ہیں مطمئن رہتا ہے، اور جب کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے، یا کسی حالت سے دوچار ہوتا ہے جو اسے ناگوار ہے، تو خدا سے پھر جاتا ہے اور ایک ایک آستانے پر ما تھار گڑنے لگتا ہے۔ اس شخص کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ قضاۓ الہی پر راضی نہیں ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ قسمت کے بناؤ اور بگاڑ کے سر رشتہ اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں بھی ہیں، اور اللہ سے مایوس ہو کر دوسرے آستانوں سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ اس بنا پر فرمایا جا رہا ہے کہ جس شخص کے یہ خیالات ہوں وہ اپنا سارا زور لگا کر دیکھ لے، حتیٰ کہ اگر آسمان کو پھاڑ کر تھنگلی لگا سکتا ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لے کہ آیا اس کی کوئی تدبیر تقدیر الہی کے کسی ایسے فیصلے کو بدل سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔ آسمان پر پہنچنے اور شکاف دینے سے مراد ہے وہ بڑی سے بڑی کوشش جس کا انسان تصور کر سکتا ہو۔ ان الفاظ کا کوئی لفظی مفہوم مراد نہیں ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 23 ▲

یعنی "مسلمان" جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں خدا کے تمام انبیاء، اور اس کی کتابوں کو مانا، اور محمد ﷺ کے زمانے میں جنہوں نے پچھلے انبیاء کے ساتھ آپ ﷺ پر بھی ایمان لانا قبول کیا۔ ان میں صادق الایمان بھی شامل تھے اور وہ بھی تھے جو ماننے والوں میں شامل تو ہو جاتے تھے مگر "کنارے" پر رہ کر بندگی کرتے تھے۔ اور کفر و ایمان کے درمیان تذبذب تھے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 24 ▲

تشريع کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، النساء، حاشیہ 72۔

آپ کی سہولت کے لئے بہاں لکھ دیا گیا ہے۔

سورة النساء حاشیہ نمبر 72:

یہ نہیں فرمایا کہ "یہودی ہیں" بلکہ یہ فرمایا کہ "یہودی بن گئے ہیں"۔ کیونکہ ابتداءً تو وہ بھی مسلمان ہی تھے، جس طرح ہر بُنی کی اُمت اصل میں مسلمان ہوتی ہے، مگر بعد میں وہ صرف یہودی بن کر رہ گئے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 25 ▲

صابی کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے۔ ایک حضرت یحیٰ علیہ السلام کے پیرو، جو بالائی عراق (یعنی الجزیرہ) کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے، اور حضرت یحیٰؑ کی پیروی میں اصطبلاغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیش اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پر سیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے۔ ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ و سائنس اور جن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا ہے۔ لیکن

اغلب یہ ہے کہ یہاں پہلاً گروہ مراد ہے۔ کیونکہ دوسراً گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسمونہ تھا۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 26

تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، المائدہ، حاشیہ 36۔

آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

سورۃ المائدہ حاشیہ نمبر 36:

لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ”نصاریٰ“ کا لفظ ”ناصرہ“ سے ماخوذ ہے جو مسیح علیہ السلام کا وطن تھا۔ دراصل اس کا مخذل ”نصرت“ ہے، اور اس کی بناؤہ قول ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال **مَنْ أَنْصَارِيٰ إِلَى اللَّهِ** (خدا کی راہ میں کون لوگ میرے مددگار ہیں؟) اس کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا کہ **نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ** (ہم اللہ کے کام میں مددگار ہیں)۔ عیسائی مصنفین کو بالعموم محض ظاہری مشابہت دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں ناصریہ (Nazarenes) کے نام سے جو ایک فرقہ پایا جاتا تھا، اور جنہیں حقارت کے ساتھ ناصری اور ایبوئی کہا جاتا تھا، انہی کے نام کو قرآن نے تمام عیسائیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ انہوں نے خود کہا تھا کہ ہم ”نصاریٰ“ ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے اپنا نام کبھی ناصری نہیں رکھا۔ (اس مسئلہ کی مزید تشریح کے لیے صفحہ نمبر ۱۵ پر ضمیمہ میں الگ نوٹ درج ہے)۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 27

یعنی ایران کے آتش پرست جوروشی اور تاریکی کے دو خدامانے تھے اور اپنے آپ کو زردشت کا پیرو کہتے تھے۔ ان کے مذهب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا، حتیٰ کہ سکنی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 28 ▲

یعنی عرب اور دوسرے ممالک کے مشرکین جو مذکورہ بالا گروہوں کی طرح کسی خاص نام سے موسوم نہ تھے۔ قرآن مجید ان کو دوسرے گروہوں سے مُمیز کرنے کے لیے **مُشْرِكِينَ** اور **آلَّذِينَ آثَرَ كُوَا** کے اصطلاحی ناموں سے یاد کرتا ہے، اگرچہ اہل ایمان کے سواباتی سب کے ہی عقائد و اعمال میں شرک داخل ہو چکا تھا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر 29: ▲

یعنی خدا کے بارے میں مختلف انسانی گروہوں کے درمیان جو جھگڑا ہے، اُس کا فیصلہ اس دنیا میں نہیں ہو گا بلکہ قیامت کے روز ہو گا۔ وہیں اس بات کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا جائے گا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ اگرچہ ایک معنی کے لحاظ سے یہ فیصلہ اس دنیا میں بھی خدا کی کتابیں کرتی رہی ہیں، لیکن یہاں فیصلے کا لفظ ”جھگڑا چکانے“ اور فریقین کے درمیان عدالت کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جبکہ ایک کے حق میں اور دوسرے کے خلاف با قاعدہ ڈگری دے دی جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 30 ▲

شرط کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، الرعد، حاشیہ 24-25، الخل، حاشیہ 41-42۔

آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

سورة الرعد حاشیہ نمبر 24:

مسجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا، حکم بجالانا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اس معنی میں اللہ کو سجدہ کر رہی ہے کہ وہ اس کے قانون کی مطیع ہے اور اس کی مشیت سے بال برابر بھی سرتاسری نہیں کر سکتی۔ مومن اس کے آگے برضاء و رغبت جھکتا ہے تو کافر کو مجبوراً جھکنا پڑتا ہے، کیونکہ خدا کے قانون فطرت سے ہنا اس کی مقدرات سے باہر ہے۔

سورة الرعد حاشیہ نمبر 25:

سایوں کے سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کے سایوں کا صبح و شام مغرب اور مشرق کی طرف گرنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب چیزیں کسی کے امر کی مطیع اور کسی کے قانون سے مسخر ہیں۔

سورة النحل حاشیہ نمبر 41:

یعنی تمام جسمانی اشیاء کے سائے اس بات کی علامت ہیں کہ پہاڑ ہوں یا درخت، جانور ہوں یا انسان، سب کے سب ایک ہمہ گیر قانون کی گرفت میں جگڑے ہوئے ہیں، سب کی پیشانی پر بندگی کا داغ لگا ہوا ہے، الوہیت میں کسی کا کوئی ادنیٰ حصہ بھی نہیں ہے۔ سایہ پڑنا ایک چیز کے مادی ہونے کی کھلی علامت ہے، اور مادی ہونا بندہ و مخلوق ہونے کا کھلا ثبوت۔

سورة النحل حاشیہ نمبر 42:

یعنی زمین، ہی کی نہیں، آسمانوں کی بھی وہ تمام ہستیاں جن کو قدیم زمانے سے لے کر آج تک لوگ دیوی، دیوتا اور خدا کے رشتہ دار ٹھیراتے آئے ہیں دراصل غلام اور تابدار ہیں۔ ان میں سے بھی کسی کا خداوندی میں کوئی حصہ نہیں۔

ضمِنًا اس آیت سے ایک اشارہ اس طرف بھی نکل آیا ہے کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی میں نہیں ہیں بلکہ عالم بالا کے سیاروں میں بھی ہیں۔ یہی بات سورہ شوریٰ آیت ۲۹ میں بھی ارشاد ہوئی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 31 ▲

یعنی فرشتے، آجرام فلکی، اور وہ سب مخلوقات جو زمین کے ماوراء دوسرے جہانوں میں ہیں، خواہ وہ انسان کی طرح ذی عقل و ذی اختیار ہوں، یا حیوانات، نباتات، جمادات اور ہوا اور روشنی کی طرح بے عقل و بے اختیار۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 32 ▲

یعنی وہ جو محض مجبوراً ہی نہیں بلکہ بالارادہ اور بطوع و رغبت بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں دوسرا انسانی گروہ جس کا بعد کے فقرے میں ذکر آرہا ہے، وہ ہے جو اپنے ارادے سے خدا کے آگے جھکنے سے انکار کرتا ہے، مگر دوسری بے اختیار مخلوقات کی طرح وہ بھی قانون فطرت کی گرفت سے آزاد نہیں ہے اور سب کے ساتھ مجبوراً سجدہ کرنے والوں میں شامل ہے۔ اس کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں بغاوت کی روشن اختیار کرتا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 33 ▲

مطلوب یہ ہے کہ اگرچہ ان مختلف گروہوں کے جھکڑے کا فیصلہ تو قیامت ہی کے روز چکایا جائے گا۔ لیکن کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو وہ آج بھی دیکھ سکتا ہے کہ حق پر کون ہے اور آخری فیصلہ کس کے حق میں ہونا چاہیے۔ پوری کائنات کا نظام اس بات پر شاہد ہے کہ زمین سے آسمانوں تک ایک ہی خدا کی خدائی پورے زور اور پوری ہمہ گیری کے ساتھ چل رہی ہے۔ زمین کے ایک ذرے سے لے کر آسمان کے بڑے بڑے سیاروں تک سب ایک قانون میں جکڑے ہوئے ہیں جس سے بال برابر بھی جنبش کرنے کا کسی کو یارا نہیں ہے۔ مومن تو خیر دل سے اس کے آگے سر جھکاتا ہے، مگر وہ دہریہ جو اس کے وجود تک کا انکار کر رہا ہے اور وہ مشرک جو ایک ایک بے اختیار ہستی کے آگے جھک رہا وہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح ہوا اور پانی۔ کسی فرشتے، کسی جن، کسی نبی اور ولی، اور کسی دیوی یا دیوتا کے پاس خدائی کی صفت اور اختیارات کا ادنیٰ شاہد تک نہیں ہے کہ اس کو الوہیت اور معبدیت کا مقام دیا جاسکے، یا خداوند عالم کا ہم جنس یا شیل ٹھیکرا یا جاسکے۔ کسی قانون بے حاکم اور فطرت بے صانع اور نظام بے ناظم کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کو وجود میں لا سکے اور با قاعدگی کے ساتھ خود ہی چلاتا رہے اور قدرت و حکمت کے وہ حیرت انگیز کر شمے دکھا سکے جو اس کائنات کے گوشے گوشے میں ہر طرف نظر آرہے ہیں۔

کائنات کی یہ کھلی کتاب سامنے ہوتے ہوئے بھی جو شخص انبیاء کی بات نہیں مانتا اور مختلف خود ساختہ عقیدے اختیار کر کے خدا کے بارے میں جھگڑتا ہے اس کا بر سر باطل ہونا آج بھی اسی طرح ثابت ہے جس طرح قیامت کے روز ثابت ہو گا۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 34

یہاں ذلت اور عزت سے مراد حق کا انکار اور اس کی پیروی ہے، کیونکہ اس کالازمی نتیجہ ذلت اور عزت ہی کی شکل میں ظاہر ہونا ہے۔ جو شخص کھلے کھلے اور روشن حقائق کو آنکھیں کھول کرنے دیکھے، اور سمجھانے والے کی بات بھی سن کرنے والے وہ خود ہی ذلت و خواری کو اپنے اوپر دعوت دیتا ہے، اور اللہ ہی چیز اس کے نصیب میں لکھ دیتا ہے جو اس نے خود مانگی ہے۔ پھر جب اللہ ہی نے اس کو پیروی حق کی عزت نہ دی تو اب کون ہے جو اس کو اس عزت سے سرفراز کر دے۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 35

یہاں سجدہ تلاوت واجب ہے، اور سورہ حج کا یہ سجدہ متفق علیہ ہے سجدہ تلاوت کی حکمت اور اس کے احکام کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، الاعراف، حاشیہ 157۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 36

یہاں خدا کے بارے میں جھگڑا کرنے والے تمام گروہوں کو ان کی کثرت کے باوجود دو فریقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک فریق وہ جو انبیاء کی بات مان کر خدا کی صحیح بندگی اختیار کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو ان کی بات نہیں مانتا اور کفر کی راہ اختیار کرتا ہے خواہ اس کے اندر آپس میں کتنے ہی اختلافات ہوں اور اس کے کفر نے کتنی ہی مختلف صورتیں اختیار کر لی ہوں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 37 ▲

مستقبل میں جس چیز کا پیش آنا بالکل قطعی اور یقینی ہو اس کو زور دینے کے لیے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ گویا وہ پیش آچکی ہے۔ آگ کے کپڑوں سے مراد غالباً وہی چیز ہے جسے سورہ ابراہیم آیت 50 میں

سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرَانٍ فرمایا گیا ہے۔ شریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، ابراہیم، حاشیہ 58۔

رکوٰ٢٦

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ أَمْنَوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ آسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۖ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْكَحِيمِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۗ وَمَنْ يُرِدُ فِيهِ بِالْحَادِيظُلْمٍ نُذَقُهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۖ

QuranUrdu.com

دکوع ۳

﴿ذو سری طرف﴾ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اُن کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آرستہ کیے جائیں گے 38 اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔ ان کو پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی 39 اور انھیں خداۓ ستودہ صفات کا راستہ دکھایا گیا۔ 40

جن لوگوں نے گفر کیا 41 اور جو ﴿آج﴾ اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور اُس مسجدِ حرام کی زیارت میں مانع ہیں 42 جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے، جس میں مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں 43 ﴿اُن کی روشن یقیناً سزا کی مستحق ہے﴾۔ اس ﴿مسجدِ حرام﴾ میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا 44 اسے ہم دردناک عذاب کا مراپا چھائیں گے۔ ۶۴

سورة الحج حاشیہ نمبر: 38 ▲

اس سے یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ ان کو شاہانہ لباس پہنانے جائیں گے۔ نزول قرآن کے زمانے میں بادشاہ اور بڑے بڑے رئیس سونے اور جواہر کے زیور پہنٹے تھے، اور خود ہمارے زمانے میں بھی ہندوستان کے راجہ اور نواب ایسے زیور پہنٹے رہے ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 39 ▲

اگرچہ پاکیزہ بات کے الفاظ عام ہیں، مگر مراد ہے وہ کلمہ طیبہ اور عقیدہ صالحہ جس کو قبول کرنے کی بنا پر وہ مومن ہوئے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 40 ▲

جیسا کہ دیباچے میں بیان کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک یہاں سورے کا وہ حصہ ختم ہو جاتا ہے جو مکی دور میں نازل ہوا تھا۔ اس حصے کا مضمون اور انداز بیان وہی ہے جو کہ سورتوں کا ہوا کرتا ہے، اور اس میں کوئی علامت بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر یہ شبہ کیا جا سکے کہ شاید یہ پورا حصہ، یا اس کا کوئی جز مذینے میں نازل ہوا ہو۔ صرف آیت **هُذِنِ خَصْنِينِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ** (یہ دو فریق ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے بارے میں جھگڑا ہے) کے متعلق بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ لیکن اس قول کی بنیاد صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک ان دو فریقوں سے مراد جنگ بدر کے فریقین ہیں، اور یہ کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ سیاق و سباق میں کہیں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اس اشارے کو اس جنگ کے فریقین کی طرف پھیرتی ہو۔ الفاظ عام ہیں، اور سیاق عبارت صاف بتا رہا ہے کہ اس سے مراد کفر و ایمان کی اس نزاع عام کے فریقین ہیں جو ابتداء سے چلی آ رہی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ جنگ بدر کے فریقین سے اس کا تعلق ہوتا تو اس کی جگہ سورہ انفال میں تھی نہ کہ اس سورے میں اور اس سلسلہ کلام میں۔ یہ طریق تفسیر اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کی آیات بالکل منتشر طریقہ پر نازل ہوئیں

اور پھر ان کو بلا کسی ربط و مناسبت کے بس یوں ہی جہاں چاہا لگا دیا گیا۔ حالانکہ قرآن کا نظم کلام خود اس نظریے کی سب سے بڑی تردید ہے۔

▲ 41 سورۃ الحج حاشیہ نمبر:

یعنی محمد ﷺ کی دعوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ آگے کا مضمون صاف بتارہا ہے کہ ان سے مراد کفار مکہ ہیں۔

▲ 42 سورۃ الحج حاشیہ نمبر:

یعنی محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروؤں کو حج اور عمرہ نہیں کرنے دیتے۔

▲ 43 سورۃ الحج حاشیہ نمبر:

یعنی جو کسی شخص یا خاندان یا قبیلے کی جائیداد نہیں ہے، بلکہ وقف عام ہے اور جس کی زیارت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

یہاں فقہی نقطہ نظر سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں جن کے بارے میں فقہائے اسلام کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں:

اول یہ کہ "مسجد حرام" سے مراد کیا ہے؟ آیا صرف، مسجد یا پورا حرم مکہ؟

دوم یہ کہ اس میں عاکف (رہنے والے) اور باد (باہر سے آنے والے) کے حقوق برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسجد ہے نہ کہ پورا حرم، جیسا کہ قرآن کے ظاہر الفاظ سے متregon ہوتا ہے۔ اور اس میں حقوق کے مساوی ہونے سے مراد عبادت کے حق میں مساوات ہے، جیسا کہ نبی

ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ: يَا بْنَى عَبْدِنَافِ مَنْ وَلَى مِنْكُمْ مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ شَيْئًا فَلَا يَنْعَنْ أَحَدًا طَافَ بِهِذَا الْبَيْتَ أَوْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّةً سَاعَةً شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارًا۔ "اے اولاد عبد مناف، تم میں

سے جو کوئی لوگوں کے معاملات پر کسی اقتدار کا مالک ہوا سے چاہیے کہ کسی شخص کو رات اور دن کے کسی وقت میں بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے یا نماز پڑھنے سے منع نہ کرے۔ اس رائے کے حامی کہتے ہیں کہ مسجد حرام سے پورا حرم مراد لینا اور پھر وہاں جملہ حیثیات سے مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ مکہ کے مکانات اور زمینوں پر لوگوں کے حقوق ملکیت و وراثت اور حقوق نیج و اجارہ اسلام سے پہلے قائم تھے اور اسلام کے بعد بھی قائم رہے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صفوان بن امیہ کا مکان مکہ میں جیل کی تعمیر کے لیے چار ہزار درہم میں خریدا گیا۔ لہذا یہ مساوات صرف عبادت ہی کے معاملہ میں ہے نہ کہ کسی اور چیز میں۔ یہ امام شافعی اور ان کے ہم خیال اصحاب کا قول ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مسجد حرام سے مراد پورا حرم مکہ ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خود اس آیت میں جس چیز پر مشرکین مکہ کو ملامت کی گئی ہے وہ مسلمانوں کے حج میں مانع ہونا ہے، اور ان کے اس فعل کو یہ کہہ کر رد کیا گیا کہ وہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حج صرف مسجد ہی میں نہیں ہوتا بلکہ صفا اور مروہ سے لے کر مُنْهَى، مزولفہ، عرفات، سب مناسک حج کے مقامات ہیں۔ پھر قرآن میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر مسجد حرام بول کر پورا حرم مراد لیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا: **وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْخَرَاجِ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ**

"مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بڑا گناہ ہے۔" (بقرہ۔ آیت 217)۔ ظاہر ہے کہ یہاں مسجد سے نماز پڑھنے والوں کو نکالا نہیں بلکہ مکہ سے مسلمان باشندوں کو نکالنا مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: **ذلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرٍ إِلَيْهِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** "یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھروالے

مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں" (البقرہ۔ آیت 196)۔ یہاں بھی مسجد حرام سے مراد پورا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد۔ لہذا "مسجد حرام" میں مساوات کو صرف مسجد میں مساوات تک محدود نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ یہ حرم مکہ میں مساوات ہے۔

پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ یہ مساوات صرف عبادت اور تعظیم و حرمت ہی میں نہیں ہے، بلکہ حرم مکہ میں تمام حقوق کے اعتبار سے ہے۔ یہ سرز میں خدا کی طرف سے وقف عام ہے لہذا اس پر اور اس کی عمارت پر کسی کے حقوق ملکیت نہیں ہیں۔ ہر شخص ہر جگہ پھر سکتا ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا اور نہ کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا سکتا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ لوگ بکثرت احادیث اور آثار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً:

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مکة منام لا تباع رباعها ولا تؤجر بيوتها ، "مکہ مسافروں کے اترنے کی جگہ ہے، نہ اس کی زمینیں نیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرائے پر چڑھائے جائیں"

ابراهیم خنجی کی مُرسَل روایت کہ حضور ﷺ نے فرمایا مکة حرمها اللہ لا يحل بيع رباعها ولا اجارة بيوتها، "مکہ کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی زمین کو بچنا اور اس کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا حلال نہیں ہے۔" (واضح رہے کہ ابراہیم خنجی کی مرسلات حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں، کیونکہ ان کا یہ قاعدہ مشہور و معروف ہے کہ جب وہ مرسَل روایت کرتے ہیں تو دراصل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں) مجاہد نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں ایک روایت نقل کی ہے۔

علقہ بن نضله کی روایت کہ "رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مکے کی زمینیں سوائب (افتادہ زمینیں یا شاملات) سمجھی جاتی تھیں، جس کو ضرورت ہوتی وہ رہتا تھا اور جب ضرورت نہ رہتی دوسرے کو گھر ادیتا تھا"۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کہ حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا تھا کہ حجؑ کے زمانے میں مکے کا کوئی شخص اپنا دروازہ بند نہ کرے۔ بلکہ مجاہد کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل مکہ کو اپنے مکانات کے صحن کھلے چھوڑ دینے کا حکم دے رکھا تھا اور وہاں پر دروازے لگانے سے منع کرتے تھے تاکہ آنے والا جہاں چاہے ٹھہرے۔ یہی روایت عطاہ کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف سُہیل بن عَمْرُوؓ کو فاروقؓ اعظم نے صحن پر دروازے لگانے کی اجازت دی تھی، کیونکہ ان کو تجارتی کاروبار کے سلسلے میں اپنے اونٹ وہاں بند کرنے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ اللہ نے پورے حرم مکہ کو مسجد بنادیا ہے جہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

عمر بن عبد العزیز کا فرمان امیر مکہ کے نام کے مکے کے مکانات پر کرایہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ حرام ہے۔ ان روایات کی بناء پر بکثرت تابعین اس طرف گئے ہیں، اور فقہا میں سے امام مالکؓ، امام ابو حنیفہؓ، سفیان ثوریؓ، امام احمد بن حنبلؓ، اور اسحاق بن رَاهُویہؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ اراضی مکہ کی بیع، اور کم از کم موسم حجؑ میں مکے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہاء نے مکہ کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے اور ان کی بحیثیت عمارت، نہ کہ بحیثیت زمین بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

یہی مسلک کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ اور سنت خلفاء راشدین سے قریب تر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں پر حجؑ اس لیے فرض نہیں کیا ہے کہ یہ اہل مکہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنے اور جو مسلمان احساس فرض سے مجبور ہو کرو ہاں جائیں انہیں وہاں کے مالکان زمین اور مالکان مکانات

خوب کرائے وصول کر کر کے لوٹیں۔ وہ ایک وقف عام ہے تمام اہل ایمان کے لیے۔ اس کی زمین کسی کی ملک نہیں ہے۔ ہر زائر کو حق ہے کہ جہاں جگہ پائے ٹھہر جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 44

اس سے ہر وہ فعل مراد ہے جو راستی سے ہٹا ہوا اور ظلم کی تعریف میں آتا ہو، نہ کہ کوئی خاص فعل۔ اس طرح کے افعال اگرچہ ہر حال میں گناہ ہیں، مگر حرم میں ان کا ارتکاب زیادہ شدید گناہ ہے۔ مفسرین نے بلا ضرورت قسم کھانے تک کو الحاد فی الحرم میں شمار کیا ہے اور اس آیت کا مصدق ٹھہرایا ہے۔ ان عام گناہوں کے علاوہ حرم کی حرمت کے متعلق جو خاص احکام ہیں ان کی خلاف ورزی بدرجہ اولیٰ اس تعریف میں آتی ہے۔ مثلاً:

حرم کے باہر جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو، یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو جس پر حد لازم آتی ہو، اور پھر وہ حرم میں پناہ لے لے، توجب تک وہ وہاں رہے اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا۔ حرم کی یہ حیثیت حضرت ابراہیمؐ کے زمانے سے چلی آتی ہے، اور فتح مکہ کے روز صرف ایک ساعت کے لیے اٹھائی گئی، پھر ہمیشہ کے لیے قائم ہو گئی۔ اور ان کا ارشاد ہے **وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ أَمِنًا** "جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آگیا"۔ حضرت عمرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کے یہ اقوال معتبر روایات میں آئے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ کے قاتل کو بھی وہاں پائیں تو اسے ہاتھ نہ لگائیں۔ اسی لیے جمہور تابعین اور حفییہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ حرم کے باہر کیے ہوئے جرم کا قصاص حرم میں نہیں لیا جاسکتا۔

وہاں جنگ اور خونریزی حرام ہے۔ فتح مکہ کے دوسرے روز جو خطبہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اس میں آپ نے اعلان فرمادیا تھا کہ "لوگو، اللہ نے مکے کو ابتدائے آفرینش سے حرام کیا ہے اور یہ قیامت تک کے لیے اللہ کی حرمت سے حرام ہے۔ کسی شخص کے لیے، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں ہے

کہ یہاں کوئی خون بھائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ "اگر میری اس جنگ کو دلیل بنانکر کوئی شخص اپنے لیے یہاں خونزیزی کو جائز ٹھہرائے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اس کو جائز کیا تھا کہ تمہارے لیے۔ اور میرے لیے بھی یہ صرف ایک دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا، پھر آج اس کی حرمت اسی طرح قائم ہو گئی جیسی کل تھی"۔

وہاں کے قدرتی درختوں کو نہیں کاظما جاسکتا، نہ خود رو گھاس اکھاڑی جاسکتی ہے، نہ پرندوں اور دوسرے جانوروں کا شکار کیا جاسکتا ہے، اور نہ شکار کی غرض سے وہاں کے جانور کو بھگایا جاسکتا ہے تاکہ حرم کے باہر اس کا شکار کیا جائے۔ اس سے صرف سانپ بچھو اور دوسرے موذی جانور مستثنی ہیں۔ اور خود رو گھاس سے اذخر، اور خشک گھاس مستثنی کی گئی ہے۔ ان امور کے متعلق صحیح احادیث میں صاف صاف احکام وارد ہوئے ہیں۔

وہاں کی گری پڑی چیز اٹھانا منوع ہے، جیسا کہ ابو داؤد میں آیا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن نقطۃ الحاج، یعنی "آپ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا تھا"۔

وہاں جو شخص بھی حج یا عمرے کی نیت سے آئے وہ احرام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دوسری کسی غرض سے داخل ہونے والے کے لیے بھی احرام باندھ کر جانا ضروری ہے یا نہیں۔ ابن عباسؓ کا مذہب یہ ہے کہ کسی حال میں بلا احرام داخل نہیں ہو سکتے۔ امام احمدؓ اور امام شافعیؓ کا بھی ایک ایک قول اسی کا موئید ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ صرف وہ لوگ احرام کی قید سے مستثنی ہیں جن کو بار بار اپنے کام کے لیے وہاں جانا آنا پڑتا ہو۔ باقی سب کو احرام بند جانا چاہیے۔ یہ امام احمد اور شافعی کا دوسرا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ جو شخص میقاتوں کے حدود میں رہتا ہو وہ مکہ میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے، مگر جو حدود میقات سے باہر کا رہنے والا ہو وہ بلا احرام نہیں جاسکتا۔ یہ امام ابوحنیفہؓ کا قول ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

وَإِذْبَوَّا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكُ بِشَيْئًا وَ طَهَرْ بَيْتَنِي لِلَّطَّاءِ فِينَ وَ الْقَاعِيْنَ
وَ الرُّكُّعَ السُّجُودَ ﴿٣١﴾ وَ أَذْنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجَّ يَا تُوكَ رِجَالًا وَ عَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَا تِينَ مِنْ كُلِّ
فَجَّ عَمِيقٍ ﴿٣٢﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَتٍ عَلَى مَا
رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُّوا مِنْهَا وَ أَطْعُمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٣٣﴾ ثُمَّ لَيَقْضُوا
تَفَشَّهُمْ وَ لَيُوْفُوا نُذُورَهُمْ وَ لَيَطَوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٤﴾ ذَلِكَ وَ مَنْ يَعْظِمُ حُرْمَتَ اللَّهِ
فَهُوَ خَيْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَ أَحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ
مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ النُّورِ ﴿٣٥﴾ حَنَفَاءَ إِلَيْهِ خَيْرٌ مُشْرِكِينَ بِهِ وَ مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ
فَكَانَهَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطُفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهُوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣٦﴾ ذَلِكَ وَ
مَنْ يَعْظِمُ شَعَارَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿٣٧﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ إِلَى آجِلٍ مُسَمٍّ

رکو ۶

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؐ کے لیے اس گھر ﴿خانہ کعبہ﴾ کی جگہ تجویز کی تھی اس ہدایت کے ساتھ ﴿کہ "میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو،⁴⁵ اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دُور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں⁴⁶ پر سوار آئیں،⁴⁷ تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں،⁴⁸ اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے انھیں بخشے ہیں،⁴⁹ خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں،⁵⁰ پھر اپنا میل کچیل دُور کریں⁵¹ اور اپنی نذریں پُوری کریں،⁵² اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔⁵³

یہ تھا ﴿تعمیر کعبہ کا مقصد﴾ اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے۔⁵⁴

اور تمہارے لیے مویشی جانور حلال کیے گئے،⁵⁵ مساواں چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں۔⁵⁶ پس بُتوں کی گندگی سے بچو،⁵⁷ جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو،⁵⁸ یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے رگر گیا، اب یا تو اُسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہو اُس کو ایسی جگہ لے جا کر بھینک دے گی جہاں اُس کے چیھڑے اُڑ جائیں گے۔⁵⁹

یہ ہے اصل معاملہ ﴿اسے سمجھ لو﴾ اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر⁶⁰ کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔⁶¹

تمہیں ایک وقت مقرر تک اُن ﴿ہدی﴾ کے جانوروں ﴿سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے،⁶² پھر اُن ﴿کے قربان کرنے﴾ کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔⁶³

سورة الحج حاشیہ نمبر: 45 ▲

بعض مفسرین نے "پاک رکھو" پر اس فرمان کو ختم کر دیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا، اور "حج کے لیے اذن عام دے دو" کا خطاب نبی ﷺ کی طرف مانا ہے۔ لیکن انداز کلام صاف بتارہا ہے کہ یہ خطاب بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہے اور اسی حکم کا ایک حصہ ہے جو ان کو خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت دیا گیا تھا۔ علاوہ بریں مقصود کلام بھی یہاں یہی بتانا ہے کہ اول روز ہی سے یہ گھر خدائے واحد کی بندگی کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور تمام خدا پرستوں کو یہاں حج کے لیے آنے کا اذن عام تھا۔

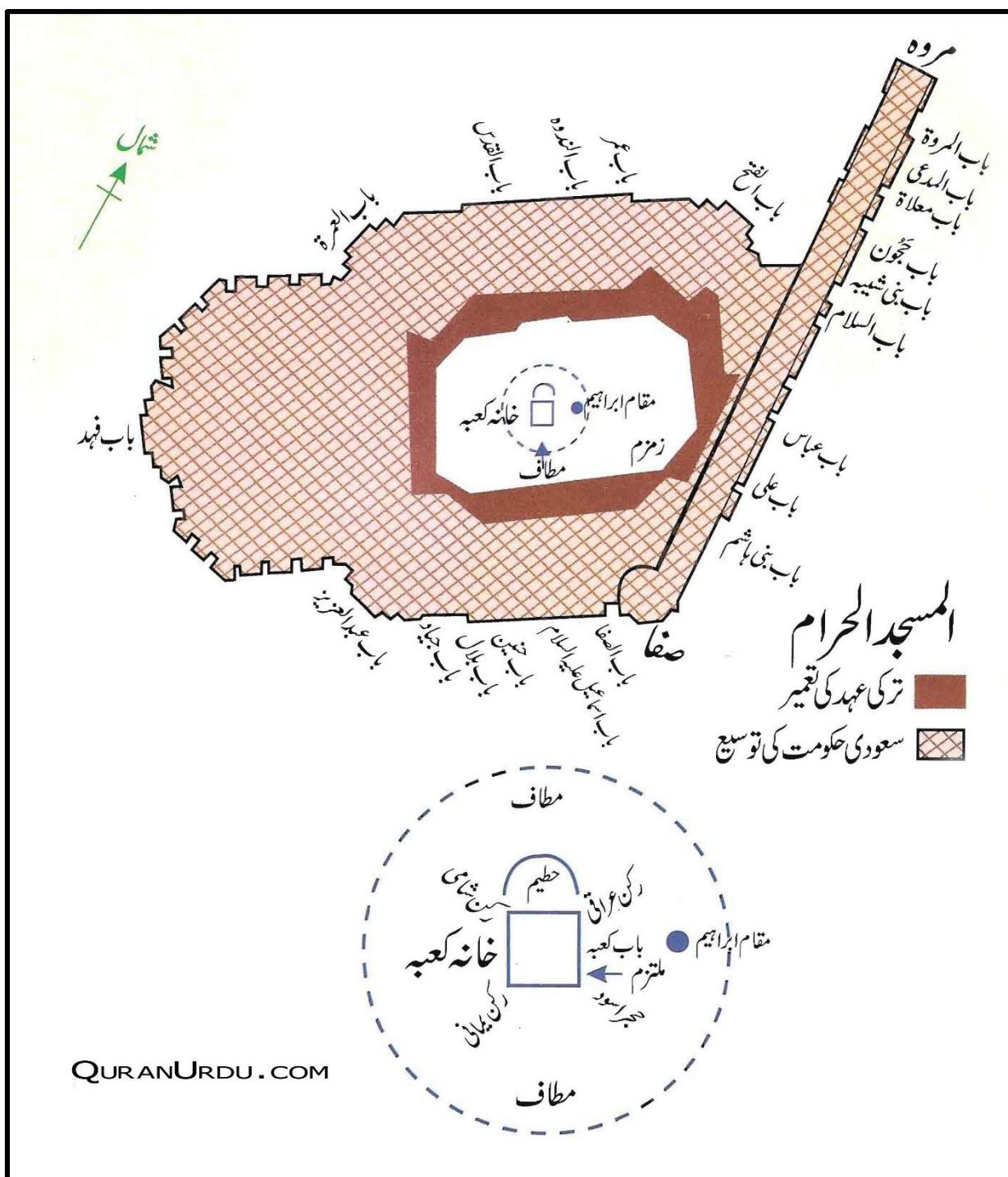
سورة الحج حاشیہ نمبر: 46 ▲

اصل میں لفظ ضَامِ استعمال ہوا ہے جو خاص طور پر دبلے اونٹوں کے لیے بولتے ہیں۔ اس سے ان مسافروں کی تصویر کھینچنا مقصود ہے جو دور دراز مقامات سے چلے آ رہے ہوں اور راستے میں ان کے اونٹ چارہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے دبلے ہو گئے ہوں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 47 ▲

یہاں وہ حکم ختم ہوتا ہے جو ابتداءً حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا، اور آگے کا ارشاد اس پر اضافہ ہے جو بطور تشریح مزید کیا گیا ہے۔ ہماری اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کا خاتمه اس قدیم گھر کا طواف کریں "پر ہوا ہے، جو ظاہر ہے کہ تعمیر خانہ کعبہ کے وقت نہ فرمایا گیا ہو گا۔ (حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر خانہ کعبہ کے متعلق مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ، آیات 125-129۔ آل عمران، آیات 96-97۔ ابراہیم، آیات 35-41)۔

لُقْشَه خانه کعْبَه



سورة الحج حاشیہ نمبر: 48 ▲

اس سے مراد صرف دینی فائدے ہی نہیں ہیں بلکہ دنیوی فائدے بھی ہیں۔ یہ اسی خانہ کعبہ اور اس کے حج کی برکت تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے لے کر نبی ﷺ کے زمانے تک ڈھائی ہزار برس کی مدت میں عربوں کو ایک مرکز وحدت حاصل رہا جس نے ان کی عربیت کو قبائلیت میں بالکل گم ہو جانے سے بچائے رکھا۔ اس کے مرکز سے وابستہ ہونے اور حج کے لیے ہر سال ملک کے تمام حصوں سے آتے رہنے کی بدولت ان کی زبان ایک رہی، ان کی تہذیب ایک رہی، ان کے اندر عرب ہونے کا احساس باقی رہا، اور ان کو خیالات، معلومات اور تمدنی طریقوں کی اشاعت کے موقع ملتے رہے۔ پھر یہ بھی اسی حج کی برکت تھی کہ عرب کی اس عام بد امنی میں کم از کم چار مہینے ایسے امن کے میسر آجاتے تھے جن میں ملک کے ہر حصے کا آدمی سفر کر سکتا تھا اور تجارتی قافلے بھی بخیریت گزر سکتے تھے۔ اس لیے عرب کی معاشی زندگی کے لیے بھی حج ایک رحمت تھا۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، آل عمران، حواشی، 80-81۔

المائدہ، حاشیہ 113۔

اسلام کے بعد حج کے دینی فائدوں کے ساتھ اس کے دنیوی فائدے بھی کئی گنے زیادہ ہو گئے۔ پہلے وہ صرف عرب کے لیے رحمت تھا۔ اب وہ ساری دنیا کے اہل توحید کے لیے رحمت ہو گیا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 49 ▲

جانوروں سے مراد مویشی جانور ہیں، یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جیسا کہ سور انعام 142-144 میں بصراحت بیان ہوا ہے۔

ان پر اللہ کا نام لینے سے مراد اللہ کے نام پر اور اس کا نام لے کر انہیں ذبح کرنا ہے، جیسا کہ بعد کا فقرہ خود بتا رہا ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کے لیے بالعوم "جانور پر اللہ کا نام لینے" کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے، اور ہر جگہ اس سے مراد اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کرنا ہی ہے۔ اس طرح گویا اس حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ

اللہ کا نام لیے بغیر، یا اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور کو ذبح کرنا کفار و مشرکین کا طریقہ ہے۔ مسلمان جب کبھی جانور کو ذبح کرے گا اللہ کا نام لے کر کرے گا، اور جب کبھی قربانی کرے گا اللہ کے لیے کرے گا۔

ایام معلومات (چند مقرر دنوں) سے مراد کون سے دن ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان سے مراد ذی الحجه کے پہلے دس دن ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؓ، ابراہیم بن حنفی، قتادہ اور متعدد دوسرے صحابہ و تابعین سے یہ قول منقول ہے۔ امام ابو حنیفہؓ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم النحر (یعنی، 10 ذی الحجه) اور اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ اس کی تائید میں ابن عباس، ابن عمر، ابراہیم بن حنفی، حسن اور عطاء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں، اور امام شافعی و احمد سے بھی ایک ایک قول اس کے حق میں منقول ہوا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین دن ہیں، یوم النحر اور دو دن اس کے بعد۔ اس کی تائید میں حضرات عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالک، ابو ہریرہ، سعید بن مسیت اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کے اقوال منقول ہوئے ہیں۔ فقهاء میں سے سفیان ثوریؓ، امام مالکؓ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حنفیہ کے اختیار کیا ہے اور مذہب حنفی و مالکی میں اسی پر فتویٰ ہے۔ باقی کچھ شاذ اقوال بھی ہیں، مثلاً کسی نے کیم محروم تک قربانی کے ایام کو دراز کیا ہے، کسی نے صرف یوم النحر تک اسے محدود کر دیا ہے، اور کسی نے یوم النحر کے بعد صرف ایک دن مزید قربانی کامانا ہے۔ لیکن یہ کمزور اقوال ہیں جن کی دلیل مضبوط نہیں ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 50 ▲

بعض لوگوں نے اس ارشاد کا یہ مطلب لیا ہے کہ کھانا اور کھلانا دوں واجب ہیں، کیونکہ حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ اس طرف گیا ہے کہ کھانا مستحب ہے اور کھلانا واجب۔ یہ رائے امام شافعی اور امام مالک کی

ہے۔ تیسرا اگر وہ کہتا ہے کہ کھانا اور کھلانا دونوں مستحب ہیں۔ کھانا اس لیے مستحب ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ اپنی قربانی کا گوشت خود کھانا ممنوع سمجھتے تھے، اور کھلانا اس لیے پسندیدہ کہ اس میں غریبوں کی امداد اعانت ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ ابن جریر نے حسن بصری[ؓ]، عطاء، مجاهد اور ابراہیم نخنی کے یہ اقوال نقل کیے ہیں کہ فَكُلُوا مِنْهَا۔ میں صیغہ امر کے استعمال سے کھانے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ یہ امر ویسا ہی ہے جیسے فرمایا: وَإِذَا حَلَّتُمْ فَاصْطَادُوا^٦ "جب تم حالت احرام سے نکل آؤ تو پھر شکار کرو" (المائدہ۔ آیت 2) اور فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ، "پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ" (الجمع۔ آیت 10)۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ احرام سے نکل کر شکار کرنا اور نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جانا واجب ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پھر ایسا کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ لوگ اپنی قربانی کا گوشت خود کھانے کو ممنوع سمجھتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ نہیں، اسے کھاؤ، یعنی اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

تگ دست فقیر کو کھلانے کے متعلق جو فرمایا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غنی کو نہیں کھلایا جاسکتا، دوست، ہمسائے، رشتہ دار، خواہ محتاج نہ ہوں، پھر بھی انہیں قربانی کے گوشت میں سے دینا جائز ہے۔ یہ بات صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے۔ علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے میرے ہاتھ قربانی کے جانور بھیجے اور ہدایت فرمائی کہ یوم الخر کو انہیں ذبح کرنا، خود بھی کھانا، مساکین کو بھی دینا، اور میرے بھائی کے گھر بھی بھیجننا۔ ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے کہ ایک حصہ کھاؤ، ایک حصہ مساکین کو دو، اور ایک حصہ مساکین میں تقسیم کرو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 51 ▲

یعنی یوم النحر (10 ذی الحجه) کو قربانی سے فارغ ہو کر احرام کھول دیں، جامت کرائیں، نہائیں، دھونکیں اور وہ پابندیاں ختم کر دیں جو احرام کی حالت میں عائد ہو گئی تھیں۔ لغت میں تفہ کے اصل معنی اس غبار اور میل کچیل کے ہیں جو سفر میں آدمی پر چڑھ جاتا ہے۔ مگر حج کے سلسلے میں جب میل کچیل دور کرنے کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کا مطلب وہی لیا جائے گا جو اپر بیان ہوا ہے۔ کیونکہ حاجی جب تک مناسک حج اور قربانی سے فارغ نہ ہو جائے، وہ نہ بال ترشوا سکتا ہے، نہ ناخن کٹوا سکتا ہے، اور نہ جسم کی دوسری صفائی کر سکتا ہے۔ (اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ قربانی سے فراغت کے بعد دوسری تمام پابندیاں تو ختم ہو جاتی ہیں، مگر بیوی کے پاس جانا اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک آدمی طواف افاضہ نہ کر لے)۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 52 ▲

یعنی جونذر بھی کسی نے اس موقع کے لیے مانی ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 53 ▲

کعبہ کے لیے "بیت عتیق" کا لفظ بہت معنی خیز ہے "عتیق" عربی زبان میں تین معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک، قدیم۔ دوسرے آزاد، جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو۔ تیسرا، مکرم اور معزز۔ یہ تینوں ہی معنی اس پاک گھر پر صادق آتے ہیں۔

طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو یوم النحر کو قربانی کرنے اور احرام کھول دینے کے بعد کیا جاتا ہے۔ یہ اركان حج میں سے ہے۔ اور چونکہ قضائے تفہ کے حکم سے متصل اس کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ طواف قربانی کرنے اور احرام کھول کر نہاد ہو لینے کے بعد کیا جانا چاہیے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 54 ▲

بظاہر یہ ایک عام نصیحت ہے جو اللہ کی قائم کی ہوئی تمام حرمتوں کا احترام کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے، مگر اس سلسلہ کلام میں وہ حرمتیں بدرجہ اولیٰ مراد ہیں جو مسجد حرام اور حج اور عمرے اور حرم مکہ کے باب میں قائم کی گئی ہیں۔ نیز اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قریش نے حرم سے مسلمانوں کو نکال کر اور ان پر حج کا راستہ بند کر کے اور مناسک حج میں مشرکانہ و جاہلانہ رسماً میں شامل کر کے اور بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے ملوث کر کے ان بہت سی حرمتوں کی ہتک کر ڈالی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قائم کردی گئی تھیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 55 ▲

اس موقع پر مویشی جانوروں کی حلت کا ذکر کرنے سے مقصود دو غلط فہمیوں کو رفع کرنا ہے۔ اول یہ کہ قریش اور مشرکین عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو بھی اللہ کی قائم کی ہوئی حرمتوں میں شمار کرتے تھے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ یہ اس کی قائم کر دہ حرمتیں نہیں ہیں، بلکہ اس نے تمام مویشی جانور حلال کیے ہیں۔ دوم یہ کہ حالت احرام میں جس طرح شکار حرام ہے اس طرح کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مویشی جانوروں کا ذبح کرنا اور ان کو کھانا بھی حرام ہے۔ اس لیے بتایا گیا کہ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حرمتوں میں سے نہیں ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 56 ▲

اشارة ہے اس حکم کی طرف جو سورہ انعام اور سورہ النحل میں ارشاد ہوا ہے کہ (اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا جائے)۔ (الانعام، آیت 145۔ النحل، آیت 115)۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 57 ▲

یعنی بتوں کی پرستش سے اس طرح بچوں جیسے غلطات سے آدمی گھن کھاتا ہے اور دور ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ نجاست سے بھرے ہوئے ہیں اور قریب جاتے ہی آدمی ان سے نجس اور پلید ہو جائے گا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 58 ▲

اگرچہ الفاظ عام ہیں، اور ان سے ہر جھوٹ، بہتان، اور جھوٹی شہادت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر اس سلسلہ کلام میں خاص طور پر اشارہ ان باطل عقائد اور احکام اور رسوم اور اوہام کی طرف ہے جن پر کفر و شرک کی بنیاد ہے۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں اس کے بندوں کو حصہ دار بنانا وہ سب سے بڑا جھوٹ ہے جس سے یہاں منع کیا گیا ہے۔ اور پھر وہ جھوٹ بھی اس فرمان کی برہ راست زد میں آتا ہے جس کی بناء پر مشرکین عرب بحیرہ اور سائبہ اور حام وغیرہ کو حرام قرار دیتے تھے، جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا: **وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ الْأَسِنَتُ كُمُ الْكَذِبَ**

هَذَا حَلْلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ "اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو" (آیت 116)۔ اس کے ساتھ جھوٹی قسم اور جھوٹی شہادت بھی اسی حکم کے تحت آتی ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا **عِدْلٌ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالشَّرِيكِ بِاللَّهِ** "جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کھی گئی ہے" ، اور پھر آپ نے ثبوت میں یہی آیت پیش فرمائی۔ اسلامی قانون میں یہ جرم مستلزم تعزیر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کافتوی یہ ہے کہ جو شخص عدالت میں جھوٹا گواہ ثابت ہو جائے اس کی تشهیر کی جائے اور لمبی قید کی سزا دی جائے۔ یہی حضرت عمر کا قول اور فعل بھی ہے۔ مکحول کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا **يُضْرِبُ ظَهِيرَةً وَ يَحْلِقُ رَأْسَهُ وَ يَسْخُمُ وجْهَهُ وَ يَطَالُ حَبْسَهُ**، "اس کی پیٹھ پر کوڑے

مارے جائیں، اس کا سر موںڈا جائے اور منہ کالا کیا جائے اور لمبی قید کی سزا دی جائے۔" - عبد اللہ بن عامرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی عدالت میں ایک شخص کی گواہی جھوٹی ثابت ہو گئی تو انہوں نے اس کو ایک دن بر سر عام کھڑا رکھ کر اعلان کرایا کہ یہ فلاں بن فلاں جھوٹا گواہ ہے، اسے پہچان لو، پھر اس کو قید کر دیا۔ موجودہ زمانے میں ایسے شخص کا نام اخبارات میں نکال دینا تدبیر کا مقصد پورا کر سکتا ہے۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 59

اس تمثیل میں آسمان سے مراد ہے انسان کی فطری حالت جس میں وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہوتا اور توحید کے سوا اس کی فطرت کسی اور مذہب کو نہیں جانتی۔ اگر انسان انبیاءؑ کی دی ہوئی رہنمائی قبول کر لے تو وہ اسی فطری حالت پر علم اور بصیرت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے، اور آگے اس کی پرواز مزید بلندیوں ہی کی طرف ہوتی ہے۔ نہ کہ پستیوں کی طرف۔ لیکن شرک (اور صرف شرک ہی نہیں بلکہ دہریت اور الحاد بھی) اختیار کرتے ہی وہ اپنی فطرت کے آسمان سے یکاکیں گر پڑتا ہے اور پھر اس کو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت لازماً پیش آتی ہے۔ ایک یہ کہ شیاطین اور گمراہ کرنے والے انسان، جن کو اس تمثیل میں شکاری پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اس کی طرف جھپٹتے ہیں اور ہر ایک اسے اچک لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی اپنی خواہشات نفس اور اس کے اپنے جذبات اور تخیلات، جن کو ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے، اسے اڑائے اڑائے لیے پھرتے ہیں اور آخر کار اس کو کسی گھرے کھڑ میں لے جا کر پھینک دیتے ہیں۔

سَحِيقٌ کا لفظ **سُحْق** سے نکلا ہے جس کے اصل معنی پیسنے کے ہیں۔ کسی جگہ کو **سَحِيق** اس صورت میں کہیں گے جبکہ وہ اتنی گھری ہو کہ جو چیز اس میں گرے وہ پاش پاش ہو جائے۔ یہاں فکر و اخلاق کی پستی کو اس گھرے کھڈ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں گر کر آدمی کے پر زے اڑ جائیں۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 60

یعنی خدا پرستی کی علامات، خواہ وہ اعمال ہوں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ، یا اشیاء ہوں جیسے مسجد اور ہدی اونٹ وغیرہ۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو *تفہیم القرآن*، جلد اول، المائدہ، حاشیہ 5۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 61

یعنی یہ احترام دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں کچھ نہ کچھ خدا کا خوف ہے جبھی تو وہ اس کے شعائر کا احترام کر رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر شعائر اللہ کی ہتک کرے تو یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اس کا دل خدا کے خوف سے خالی ہو چکا ہے، یا تو وہ خدا کا قائل ہی نہیں ہے، یا ہے تو اس کے مقابلے میں با غایبانہ روشن اختیار کرنے پر اتر آیا ہے۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 62

پہلی آیت میں شعائر اللہ کے احترام کا عام حکم دینے اور اسے دل کے تقویٰ کی علامت ٹھہرانے کے بعد یہ فقرہ ایک غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ شعائر اللہ میں ہدی کے جانور بھی داخل ہیں، جیسا کہ اہل عرب مانتے تھے اور قرآن خود بھی آگے چل کر کہتا ہے کہ **وَالْبُدُنَ جَعَلْنَاهَا أَكْثُرًا** **مِنْ شَعَابِ إِلَهٍ**، "اور ان بدی کے اوں توں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے" اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کا جو حکم اور پر دیا گیا ہے کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ بدی کے جانوروں کو بیت اللہ کی طرف جب لے جانے لگیں تو ان کو کسی طرح بھی استعمال نہ کیا جائے؟ ان پر سواری کرنا، یا

سامان لادنا، یا ان کے دودھ پینا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف تو نہیں ہے؟ عرب کے لوگوں کا یہی خیال تھا۔ چنانچہ وہ ان جانوروں کو بالکل کوٹل لے جاتے تھے۔ راستے میں ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ اسی غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ قرآنی کی جگہ پہنچنے تک تم ان جانوروں سے فائدہ اٹھاسکتے ہو، ایسا کرنا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف نہیں ہے۔ یہی بات ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو اس مسئلے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت آنس سے مروی ہیں۔ ان میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلا جا رہا ہے اور سخت تکلیف میں ہے۔ آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا یہ ہدی کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا "ارے سوار ہو جا"۔

تفسرین میں سے ابن عباس[ؓ]، قتادہ، مجاهد، ضحاک اور عطاء خراسانی اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ایک وقت مقرر تک "سے مراد" جب تک کہ جانور کو قربانی کے لیے نامزد اور ہدی سے موسم نہ کر دیا جائے ہے۔ اس تفسیر کی رو سے آدمی ان جانوروں سے صرف اس وقت تک فائدہ اٹھاسکتا ہے جب تک کہ وہ اسے ہدی کے نام سے موسم نہ کر دے۔ اور جو نہی کہ وہ اسے ہدی بنانے کی بیت اللہ لے جانے کی نیت کر لے، پھر اسے کوئی فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رہتا۔ لیکن یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اول تو اس صورت میں استعمال اور استفادے کی اجازت دینا ہی بے معنی ہے۔ کیونکہ "ہدی" کے سواد و سرے جانوروں سے استفادہ کرنے کے بارے میں کوئی شک پیدا ہی کب ہوا تھا کہ اسے اجازت کی تصریح سے رفع کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ پھر آیت صریح طور پر کہہ رہی ہے کہ اجازت ان جانوروں کے استعمال کی دی جا رہی ہے جن پر "شعائر اللہ" کا اطلاق ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ انہیں ہدی قرار دے دیا جائے۔

دوسرے مفسرین، مثلاً عُرودہ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ "وقت مقرر سے مراد" قربانی کا وقت ہے۔ قربانی سے پہلے ہدی کے جانوروں کو سواری کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں، ان کے دو حصے بھی پی سکتے ہیں اور ان کا اون، صوف، بال وغیرہ بھی اتار سکتے ہیں۔ امام شافعی نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ حنفیہ اگرچہ پہلی تفسیر کے قائل ہیں، لیکن وہ اس میں اتنی گنجائش نکال دیتے ہیں کہ بشرط ضرورت استفادہ جائز ہے۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 63

جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **هَدْيًا بِلِغَ الْكَعْبَةِ** (المائدہ۔ آیت 95) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ کعبہ پر، یا مسجد حرام میں قربانی کی جائے، بلکہ حرم کے حدود میں قربانی کرنا مراد ہے۔ یہ ایک اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآن کعبہ، یا بیت اللہ، یا مسجد حرام بول کر بالعموم حرم مکہ مراد لیتا ہے نہ کہ صرف وہ عمارت۔

وَيُكِلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لَّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ^{٣٨}
 فِإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا^{٣٩} وَبَشِّرِ الْمُخْتَيِّنَ ﴿٢٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجَلَتْ
 قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا آَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ^{٤٠} وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ^{٤١} وَ
 الْبُدُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَابِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ^{٤٢} فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا
 صَوَافَ^{٤٣} فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُّوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَ طَكِيلَ سَخَّرْنَاهَا
 لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ^{٤٤} لَنْ يَئَالَ اللَّهَ حُوْمَهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَئَالُهُ
 التَّقْوَى مِنْكُمْ طَكِيلَ سَخَّرْهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهُ عَلَى مَا هَدَكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ
 إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ أَمْنُوا^{٤٥} إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَانِ كَفُورٍ^{٤٦}

دکو٤ ۵

ہر اُمّت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ ﴿اُس اُمّت کے﴾ لوگ اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے ان کو بخشے ہیں۔ **64** ﴿اُن مختلف طریقوں کے اندر مقصد ایک ہی ہے﴾ پس تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اور اُسی کے تم مطیع فرمان بنو۔ اور اے نبی، بشارت دے دے عاجزانہ روشن اختیار کرنے والوں کو، **65** جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر رُسْتے ہیں تو ان کے دل کا نپ اُٹھتے ہیں، جو مصیبت بھی اُن پر آتی ہے اُس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ **66**

اور ﴿قربانی کے﴾ اونٹوں **67** کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے، تمہارے لیے اُن میں بھلائی ہے **68**، پس انھیں کھڑا کر کے **69** ان پر اللہ کا نام لو، **70** اور جب ﴿قربانی کے بعد﴾ ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں **71** تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور اُن کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں۔ ان جانوروں کو ہم نے اس طرح تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم شکر یہ ادا کرو۔ **72** نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ **73** اُس نے ان کو تمہارے لیے اس طرح مسخر کیا ہے تاکہ اُس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو۔ **74** اور اے نبی، بشارت دے دے نیکو کارلوگوں کو۔

75 یقیناً اللہ مدافت کرتا ہے اُن لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔ **76** یقیناً اللہ کسی خائن کافر نعمت کو پسند نہیں کرتا۔ **77** ۵۶

سورة الحج حاشیہ نمبر: 64 ▲

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتیں۔ ایک یہ کہ قربانی تمام شرائع الہیہ کے نظام عبادت کا ایک لازمی جز رہی ہے۔ توحید فی العبادت کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان نے جن جن صورتوں سے غیر اللہ کی بندگی کی ہے ان سب کو غیر اللہ کے لیے منوع کر کے صرف اللہ کے لیے مختص کر دیا جائے۔ مثلاً انسان نے غیر اللہ کے آگے رکوع و سجود کیا ہے۔ شرائع الہیہ نے اسے اللہ کے لیے خاص کر دیا۔ انسان نے غیر اللہ کے آگے مالی نذرانے پیش کیے ہیں۔ شرائع الہیہ نے انہیں منوع کر کے زکوٰۃ و صدقہ اللہ کے لیے واجب کر دیا۔ انسان نے معبدوں باطل کی تیرتھ یا تراکی ہے۔ شرائع الہیہ نے کسی نہ کسی مقام کو مقدس یا بیت اللہ قرار دے کر اس کی زیارت اور طواف کا حکم دے دیا۔ انسان نے غیر اللہ کے نام کے روزے رکھے ہیں۔ شرائع الہیہ نے انہیں بھی اللہ کے لیے مختص کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح انسان اپنے خود ساختہ معبدوں کے لیے جانوروں کی قربانیاں بھی کرتا رہا ہے اور شرائع الہیہ نے ان کو بھی غیر کے لیے قطعاً حرام اور اللہ کے لئے واجب کر دیا۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوتی کہ اصل چیز اللہ کے نام پر قربانی ہے نہ کہ اس قاعدے کی یہ تفصیلات کہ قربانی کب کی جائے اور کہاں کی جائے اور کس طرح کی جائے۔ ان تفصیلات میں مختلف زمانوں اور مختلف قوموں اور ملکوں کے انبیاء کی شریعتوں میں حالات کے لحاظ سے اختلافات رہے ہیں، مگر سب کی روح اور سب کا مقصد ایک ہی رہا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 65 ▲

اصل میں لفظ "مُخْبِتِين" استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم کسی ایک لفظ سے پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ اس میں تین مفہومات شامل ہیں استکبار اور غرور نفس چھوڑ کر اللہ کے مقابلے میں عجز اختیار کرنا۔ اس کی بندگی و غلامی پر مطمئن ہو جانا اس کے فیصلوں پر راضی ہو جانا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 66 ▲

اس سے پہلے ہم اس امر کی تصریح کر چکے ہیں کہ اللہ نے کبھی حرام و ناپاک مال کو اپنا رزق نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو پاک رزق ہم نے انہیں بخشنا ہے اور جو حلال کما یا ان کو عطا کی ہے ان میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ سے مراد بھی ہر طرح کا خرچ نہیں ہے بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنا، رشتہ داروں اور ہمسایوں اور حاجت مندوں کی مدد کرنا، رفاه عام کے کاموں میں حصہ لینا، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی ایشان کرنا مراد ہے۔ بے جا خرچ، اور عیش و عشرت کے خرچ اور ریا کارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے قرآن "انفاق" قرار دیتا ہو، بلکہ یہ اس کی اصطلاح میں اسراف اور تبذیر ہے۔ اسی طرح کنجوسی اور تنگ دلی کے ساتھ جو خرچ کیا جائے، کہ آدمی اپنے اہل و عیال کو بھی تنگ رکھے، اور خود بھی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے، اور خلق خدا کی مدد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کرنے سے جی چرائے، تو اس صورت میں اگرچہ آدمی خرچ تو کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے، مگر قرآن کی زبان میں اس خرچ کا نام انفاق "نہیں ہے۔ وہ اس کو "بخل" اور شُح نفس" کہتا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 67 ▲

اصل میں لفظ "بُدْن" استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں اونٹوں کے لیے مخصوص ہے۔ مگر نبی ﷺ نے قربانی کے حکم میں گائے کو بھی اونٹوں کے ساتھ شامل فرمادیا ہے۔ جس طرح ایک اونٹ کی قربانی سات

آدمیوں کے لیے کافی ہوتی ہے، اسی طرح ایک گائے کی قربانی بھی سات آدمی ملکر کر سکتے ہیں۔ مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترک فی الا ضاحی البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة، "رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم قربانیوں میں شریک ہو جایا کریں، اونٹ سات آدمیوں کے لیے اور گائے سات آدمیوں کے لیے"۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 68

یعنی تم ان سے بکثرت فائدے اٹھاتے ہو۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ تمہیں ان کی قربانی کیوں کرنی چاہیے۔ آدمی خدا کی بخشی ہوئی جن جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ان میں سے ہر ایک کی قربانی اس کو اللہ کے نام پر کرنی چاہیے، نہ صرف شکر نعمت کے لیے، بلکہ اللہ کی برتری اور مالکیت تسلیم کرنے کے لیے بھی، تاکہ آدمی دل میں بھی اور عمل سے بھی اس امر کا اعتراف کرے کہ یہ سب کچھ خدا کا ہے جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ایمان اور اسلام نفس کی قربانی ہے۔ نماز اور روزہ جسم اور اس کی طاقتوں کی قربانی ہے۔ زکوٰۃ ان اموال کی قربانی ہے جو مختلف شکلوں میں ہم کو اللہ نے دیے ہیں۔ جہاد وقت اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی قربانی ہے۔ قاتل فی سبیل اللہ جان کی قربانی ہے۔ یہ سب ایک ایک طرح کی نعمت اور ایک ایک عطیہ کے شکر یے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کی قربانی بھی ہم پر عائد کی گئی ہے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت پر اس کا شکر ادا کریں اور اس کی بڑائی مانیں کہ اس نے اپنے پیدا کیے ہوئے بکثرت جانوروں کو ہمارے لیے مسخر فرمایا جن پر ہم سوار ہوتے ہیں جن سے کھیتی باڑی اور بار برداری کی خدمت لیتے ہیں، جن کے گوشت کھاتے ہیں، جن کے دودھ پیتے ہیں، جن کی کھالوں اور بالوں اور خون اور ہڈی، غرض ایک ایک چیز سے بے حساب فائدے اٹھاتے ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 69 ▲

واضح رہے کہ اونٹ کی قربانی اس کو کھڑا کر کے کی جاتی ہے۔ اس کا ایک پاؤں باندھ دیا جاتا ہے، پھر اس کے حلقوم میں زور سے نیزہ مارا جاتا ہے جس سے خون کا ایک فوارہ نکل پڑتا ہے، پھر جب کافی خون نکل جاتا ہے تب اونٹ زمین پر گر پڑتا ہے۔ یہی مفہوم ہے صواف کا۔ ابن عباس^{رض}، مجاہد، ضحاک وغیرہ نے اس کی یہی تشریح کی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ سے بھی یہی منقول ہے۔ چنانچہ مسلم اور بخاری میں روایت ہے کہ ابن عمر^{رض} نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر قربانی کر رہا تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: **ابعثها قياما مقيدة سنة أبي القاسم صلی اللہ علیه وسلم**، "اس کو پاؤں باندھ کر کھڑا کر، یہ ہے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت"۔ ابو داؤد میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ اونٹ کا بایاں پاؤں باندھ کر باقی تین پاؤں پر اسے کھڑا کرتے تھے، پھر اس کو نحر کرتے تھے۔ اسی مفہوم کی طرف خود قرآن بھی اشارہ کر رہا ہے: **فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا**، "جب ان کی پیشہ میں زمین پر ٹک جائیں"۔ یہ اسی صورت میں بولیں گے جب کہ جانور کھڑا ہو اور پھر زمین پر گرے۔ ورنہ لٹا کر قربانی کرنے کی صورت میں تو پیچھوی سے ہی ٹکی ہوتی ہوتی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 70 ▲

یہ الفاظ پھر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کرنے سے کوئی جانور حلال نہیں ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو "ذبح کرو" کہنے کے بعد "ان پر اللہ کا نام لو" فرماتا ہے، اور مطلب اس کا جانوروں کو ذبح کرنا ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی شریعت میں جانور کے ذبح کرنے کا کوئی تصور اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کے سوانحیں ہے۔

ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللَّهِ أَكْبَرْ کہنے کا طریقہ بھی اسی مقام سے ماخوذ ہے۔ آیت 36 میں فرمایا: فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا، "ان پر اللہ کا نام لو"۔ اور آیت 37 میں فرمایا: لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَأْتُمْ "تاکہ اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو"۔

قربانی کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مختلف صور تیس احادیث میں منقول ہیں۔ مثلاً (1) بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرْ، اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، "اللہ کے نام کے ساتھ، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ خدا یا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے (2) أَللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، "اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبدور نہیں۔ خدا یا! تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے" (3) إِنِّي وَجَهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذِلِّكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٩﴾ أَللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز اور قربانی اور میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ خدا یا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے"۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 71

ٹکنے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ زمین پر گرجائیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ گر کر ٹھہر جائیں، یعنی ترپینا بند کر دیں اور جان پوری طرح نکل جائے۔ ابو داؤد، ترمذی اور مسند احمد میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد

منقول ہے کہ ماقطع (او ما بان) من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ، یعنی "جانور سے جو گوشت اس حالت میں کاٹا جائے کہ ابھی وہ زندہ ہو وہ مردار ہے"۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 72 ▲

یہاں پھر اشارہ ہے اس مضمون کی طرف کہ قربانی کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ فرمایا، اس لیے کہ یہ شکریہ ہے اس عظیم الشان نعمت کا جو اللہ نے مویشی جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر کے تمہیں بخشی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 73 ▲

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب جس طرح بتوں کی قربانی کا گوشت بتوں پر لے جا کر چڑھاتے تھے، اسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لا کر رکھتے اور خون اس کی دیواروں پر لتعھیرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ قربانی گویا اس لیے کی جاتی تھی کہ اللہ کے حضور اس کا خون اور گوشت پیش کیا جائے۔ اس جہالت کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل چیز جو اللہ کے حضور پیش ہوتی ہے وہ جانور کا خون اور گوشت نہیں، بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ اگر تم شکر نعمت کے جذبے کی بنا پر خالص نیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے قربانی کرو گے تو اس جذبے اور نیت اور خلوص کا نذرانہ اس کے حضور پہنچ جائے گا، ورنہ خون اور گوشت یہیں دھرارہ جائے گا۔ یہ بات ہے جو حدیث میں نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ان اللہ لا ينظر الى صوركم ولا الى الوانكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم، "اللہ تمہاری صور تیں اور تمہارے رنگ نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے"۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 74 ▲

یعنی دل سے اس کی بڑائی اور برتری مانو اور عمل سے اس کا اعلان و اظہار کرو۔ یہ پھر حکم قربانی کی غرض اور علت کی طرف اشارہ ہے۔ قربانی صرف اسی لیے واجب نہیں کی گئی ہے کہ یہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر اللہ کا شکریہ ہے، بلکہ اس لیے بھی واجب کی گئی ہے کہ جس کے یہ جانور ہیں، اور جس نے انہیں ہمارے لیے

مسخر کیا ہے، اس کے حقوق مالکانہ کا ہم دل سے بھی اور عملاً بھی اعتراف کریں، تاکہ ہمیں کبھی یہ بھول لاحق نہ ہو جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا اپنا مال ہے۔ اسی مضمون کو وہ فقرہ ادا کرتا ہے جو قربانی کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ: ﴿اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ﴾، "خدا یا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے"۔

اس مقام پر یہ جان لینا چاہیے کہ اس پیروگراف میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف حاجیوں کے لیے ہی نہیں ہے، اور صرف مکے میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لیے عام ہے، جہاں بھی وہ ہوں، تاکہ وہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر شکریہ اور تکبیر کا فرض بھی ادا کریں اور ساتھ ساتھ اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریک حال بھی ہو جائیں۔ حج کی سعادت میرے سر نہ آئی نہ سہی، کم از کم حج کے دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان وہ کام تو کر رہے ہوں جو حاجی جوار بیت اللہ میں کریں۔ اس مضمون کی تصریح متعدد صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے، اور بکثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی ﷺ خود مدینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ہر سال بقر عید کے موقع پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپؐ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ مسنداً حمد اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من وجد سعة فلم يُصَحِّ فلا يقرب من مصلاناً۔

جو شخص استطاعت رکھتا ہو، پھر قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

اس روایت کے تمام راوی شفہ ہیں۔ محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ مرفوع روایت ہے یا موقوف۔ ترمذی میں ابن عمر کی روایت ہے:

اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يُصَحِّي۔

نبی ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

بخاری میں حضرت انس کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بقر عید کے روز فرمایا:

مَنْ كَانَ ذَبْحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلِيُعْدُ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نِسْكُهُ وَاصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔

جس نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے دوبارہ قربانی کرنی چاہیے، اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔

اور یہ معلوم ہے کہ یوم النحر کو مکے میں کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کرنا سنت مسلمین کے خلاف ہو اور بعد کرنا اس کے مطابق۔ اللہ لا محالہ یہ ارشاد مدینے ہی میں ہوا ہے نہ کہ حج کے موقع پر مکے میں۔

مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینے میں بقر عید کی نماز پڑھائی اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آپ قربانی کر چکے ہیں، اپنی اپنی قربانیاں کر لیں۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ مجھ سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کر لی ہے وہ پھر اعادہ کریں۔

لپس یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بقر عید کے روز جو قربانی عام مسلمان دنیا بھر میں کرتے ہیں، یہ نبی ﷺ کی جاری کی ہوئی سنت ہے۔ البتہ اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا یہ واجب ہے یا صرف سنت۔ ابراہیم بن حنفی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام محمد، اور ایک روایت کے مطابق امام ابویوسف بھی، اس کو واجب مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؓ کے نزدیک یہ سرف سنت مسلمین ہے، اور سفیان ثوریؓ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضافہ نہیں۔ تاہم علماء امت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اگر تمام مسلمان متفق ہو کر اسے چھوڑ دیں تب بھی کوئی مضافہ نہیں۔ یہ نئی اُپیچھے صرف ہمارے زمانے کے بعض لوگوں کو سوچی ہے جن کے لیے ان کا نفس ہی قرآن بھی ہے اور سنت بھی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 75 ▲

یہاں سے تقریر کارخ ایک دوسرے مضمون کی طرف پھرتا ہے۔ سلسلہ کلام کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ یہ تقریر اس وقت کی ہے جب ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ حج کا موسم آیا تھا۔ اس وقت ایک طرف تو مہاجرین اور انصار مدینہ، دونوں کو یہ بات سخت شاق گزر رہی تھی کہ وہ حج کی نعمت سے محروم کر دیے گئے ہیں اور ان پر زیارت حرم کا راستہ زبردستی بند کر دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں پر نہ صرف اس ظلم کے داغ تازہ تھے جو کہ میں ان پر کیے گئے تھے، بلکہ اس بات پر بھی وہ سخت رنجیدہ تھے کہ گھر بار چھوڑ کر جب وہ مکے سے نکل گئے تواب مدینے میں بھی ان کو چین سے نہیں پہنچنے دیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر جو تقریر فرمائی گئی اس کے پہلے حصے میں کعبے کی تعمیر، اور حج کے ادارے اور قربانی کے طریقے پر مفصل گفتگو کر کے بتایا گیا کہ ان سب چیزوں کا اصل مقصد کیا تھا اور جاہلیت نے ان کو بگاڑ کر کیا سے کیا کر دیا ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا گیا کہ انتقام کی نیت سے نہیں بلکہ اصلاح کی نیت سے اس صورت حال کو بدلنے کے لیے اٹھیں۔ نیز اس کے ساتھ مدینے میں قربانی کا طریقہ جاری کر کے مسلمانوں کو یہ موقع بھی فراہم کر دیا گیا کہ حج کے زمانے میں اپنے گھروں پر ہی قربانی کر کے اس سعادت میں حصہ لے سکیں جس سے دشمنوں نے ان کو محروم کرنے کی کوشش کی ہے، اور حج سے الگ ایک مستقل سنت کی حیثیت سے قربانی جاری کر دی تاکہ جو حج کا موقع نہ پائے وہ بھی اللہ کی نعمت کے شکر اور اس کی تکمیر کا حق ادا کر سکے۔ اس کے بعد اب دوسرے حصے میں مسلمانوں کو اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی جا رہی ہے جو ان پر کیا گیا تھا اور کیا جا رہا تھا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 76 ▲

مدافعت دفع سے ہے جس کے اصل معنی کسی کسی چیز کو ہٹانے اور دور کرنے کے ہیں۔ مگر جب دفع کرنے کے بجائے مدافعت کرنا بولیں گے تو اس میں دو مفہوم اور شامل ہو جائیں گے۔ ایک یہ کہ کوئی دشمن طاقت ہے

جو حملہ آور ہو رہی ہے اور مدافعت کرنے والا اس کا مقابلہ کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مقابلہ بس ایک دفعہ ہی ہو کر نہیں رہ گیا بلکہ جب بھی وہ حملہ کرتا ہے یہ اس کو دفع کرتا ہے۔ ان دو مفہومات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو اہل ایمان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے مدافعت کرنے کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کفر اور ایمان کی کشمکش میں اہل ایمان یکہ و تنہا نہیں ہوتے بلکہ اللہ خود ان کے ساتھ ایک فریق ہوتا ہے۔ وہ ان کی تائید اور حمایت فرماتا ہے، ان کے خلاف دشمنوں کی چالوں کا توڑ کرتا ہے اور موذیوں کے ضرر کو ان سے دفع کرتا رہتا ہے۔ پس یہ آیت حقیقت میں اہل حق کے لیے ایک بہت بڑی بشارت ہے جس سے بڑھ کر ان کا دل مضبوط کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 77 ▲

یہ وجہ ہے اس بات کی کہ اس کشمکش میں اللہ کیوں اہل حق کے ساتھ ایک فریق بنتا ہے۔ اس لیے کہ حق کے خلاف کشمکش کرنے والا دوسرا فریق خائن ہے، اور کافر نعمت ہے۔ وہ ہر اس امانت میں خیانت کر رہا ہے جو اللہ نے اس کے سپرد کی ہے، اور ہر اس نعمت کا جواب ناشکری اور کفر ان اور نمک حرامی سے دے رہا ہے جو اللہ نے اس کو بخشی ہے۔ لہذا اللہ اس کو ناپسند فرماتا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے حق پر ستوں کی تائید کرتا ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلْمُواٰ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعٍ وَبَيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدٌ يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًاٰ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٣٠﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَنُوهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٣١﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكُمْ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُوحٌ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿٣٢﴾ وَقَوْمٌ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمٌ لُوطٌ ﴿٣٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدَيْنَ وَكُذَّابٌ مُوسَى فَآمَلَيْتُ لِذِكْرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ﴿٣٤﴾ فَكَائِنٌ مِنْ قَرِيَّةٍ أَهْلَكُنَّهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِعْرٌ مُعَطَّلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ ﴿٣٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا آوْ أَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْنِي الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنِي الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٣٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةٌ مِمَّا تَعْدُونَ ﴿٣٧﴾ وَكَائِنٌ مِنْ قَرِيَّةٍ آمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٣٨﴾

دکو٤ ۶

اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، [78](#) اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ [79](#) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے [80](#) صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ”ہمارا رب اللہ ہے۔ [81](#)“ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد [82](#) اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسماਰ کر ڈالی جائیں۔ [83](#) اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ [84](#) اللہ بڑا طاقتو اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ [85](#) اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ [86](#)

اے نبی، اگر وہ تمہیں جھٹکلاتے ہیں [87](#) تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوٹ اور اہل مدین بھی جھٹکا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹکائے جا چکے ہیں۔ ان سب منکریں حق کو میں نے پہلے مہلت دی، پھر پکڑ لیا۔ [88](#) اب دیکھ لو کہ میری عقوبت کیسی تھی۔ [89](#) کتنی ہی خطا کا راستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر اٹپڑی ہیں، کتنے ہی کنوں [90](#) بے کار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سُننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ [91](#)

یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مجاہر ہے ہیں۔ [92](#) اللہ ہر گز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا، مگر تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے۔ [93](#) کتنی ہی بستیاں ہیں جو ظالم شخصیں، میں نے ان کو پہلے مہلت دی، پھر پکڑ لیا۔ اور سب کو واپس تو میرے ہی پاس آتا ہے۔ [۶۴](#)

سورة الحج حاشیہ نمبر: 78 ▲

جیسا کہ دیباچے میں بیان کیا جا چکا ہے، یہ قاتل فی سبیل اللہ کے بارے میں اولین آیت ہے جو نازل ہوئی۔ اس آیت میں صرف اجازت دی گئی تھی۔ بعد میں سورہ بقرہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ کا حکم دے دیا گیا، یعنی: **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقاتِلُونَكُمْ** (آیت 190) اور **وَاقْتُلُوهُمْ** **حَيْثُ ثَقِفتُمُوهُمْ وَآخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ** (آیت 191) اور **وَقْتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِللهِ**^ط (آیت 193) اور: **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهَةٌ لَكُمْ** (آیت 216) اور: **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** O (آیت 244) اجازت اور حکم میں صرف چند مہینوں کا فصل ہے۔ اجازت ہماری تحقیق کے مطابق ذی الحجه 1ھ میں نازل ہوئی، اور حکم جنگ بدروسے کچھ پہلے ربیعہ یا شعبان 2ھ میں نازل ہوا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 79 ▲

یعنی اس کے باوجود کہ یہ چند مٹھی بھر آدمی ہیں، اللہ ان کو تمام مشرکین عرب پر غالب کر سکتا ہے۔ یہ بات نگاہ میں رہے کہ جس وقت تلوار اٹھانے کی یہ اجازت دی جا رہی تھی، مسلمانوں کی ساری طاقت صرف مدینے کے ایک معمولی قبے تک محدود تھی اور مہاجرین و انصار مل کر بھی ایک ہزار کی تعداد تک نہ پہنچتے تھے۔ اور اس حالت میں چیلنج دیا جا رہا تھا قریش کو جو تہرانہ تھے بلکہ عرب کے دوسرے مشرک قبائل بھی ان کی پشت پر تھے اور بعد میں یہودی بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس موقع پر یہ ارشاد کہ "اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے" نہایت بر محل تھا۔ اس سے ان مسلمانوں کی بھی ڈھارس بندھائی گئی جنہیں پورے عرب کی طاقت کے مقابلے میں تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہونے کے لیے ابھارا جا رہا تھا۔ اور کفار کو بھی متنبہ کر دیا

گیا کہ تمہارا مقابلہ۔ دراصل ان مسٹھی بھر مسلمانوں سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ اس کے مقابلے کی ہمت ہو تو سامنے آ جاؤ۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 80 ▲

یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ سورہ حج کا یہ حصہ لازماً ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 81 ▲

جس ظلم کے ساتھ یہ لوگ نکالے گئے اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذیل کے چند واقعات ملاحظہ ہوں:
 حضرت صہیب رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب خوب مال دار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جاسکتے ہو۔ اپنا مال نہیں لے جاسکتے۔ حالانکہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا، کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے۔ آخر وہ غریب دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالے کر کے اس حال میں مدینے پہنچ کر تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

حضرت اُم سَلَمَہ اور ان کے شوہر ابو سَلَمَہ اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر ہجرت کے لیے نکلے۔ بنی مغیرہ (اُم سَلَمَہ کے خاندان) نے راستہ روک لیا اور ابو سَلَمَہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو، مگر ہماری لڑکی کو لے کر نہیں جاسکتے۔ مجبوراً بے چارے بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر بنی عبد الاسد (ابو سَلَمَہ کے خاندان والے) آگے بڑھے اور انہوں نے کہا کہ بچہ ہمارے قبیلے کا ہے، اسے ہمارے حوالے کرو۔ اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت اُم سَلَمَہ بچے اور شوہر کے غم میں ترپتی رہیں، اور آخر بڑی مصیبت سے اپنے بچے کو حاصل کر کے مکے سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچے لیے اونٹ پر سوار تھی اور ان راستوں پر جا رہی تھی جن سے مسلح قافلے بھی گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

عیاش بن ربیعہ، ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئے۔ پہچپے پہچپے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سائے میں جاؤں گی اور نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لیے تم بس چل کر انہیں صورت دکھادو، پھر واپس آ جانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لیے۔ راستے میں دونوں بھائیوں نے ان کو قید کر لیا اور مکے میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور دونوں بھائی پکارتے جا رہے تھے کہ "اے اہل مکہ۔ اپنے اپنے نالائق لوندوں کو یوں سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے"۔ کافی مدت تک یہ بیچارے قید رہے وہ آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہوا۔

اس طرح کے مظالم سے قریب قریب ہر اس شخص کو سابقہ پیش آیا جس نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ظالموں نے گھر بار چھوڑتے وقت بھی ان غریبوں کو خیریت سے نہ نکلنے دیا۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 82

اصل میں صَوَامِعُ اور بَيَعٌ اور صَلَوَتٌ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں راہب و رسنياسی اور تارک الدنیا فقیر رہتے ہوں۔ بیعہ کا لفظ عربی زبان میں عیساویوں کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صلووات سے مرد یہودیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ یہودیوں کے ہاں اس کا نام صلوتا تھا جو آرامی زبان کا لفظ ہے۔ بعید نہیں کہ انگریزی لفظ (Salute) اور (Salutation) اسی سے نکل کر لاطینی میں اور پھر انگریزی میں پہنچا ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 83 ▲

یعنی اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے کسی ایک گروہ یا قوم کو دامنی اقتدار کا پٹھ لکھ کر نہیں دے دیا، بلکہ وہ وقتاً فو قتاً دنیا میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے دفع کرتا رہتا ہے۔ ورنہ اگر ایک ہی گروہ کو کہیں پڑھ مل گیا ہوتا تو قلعے اور قصر اور ایوان سیاست، اور صنعت و تجارت کے مرکز ہی تباہ نہ کر دیے جاتے بلکہ عبادت گاہیں تک دست درازیوں سے نہ بچتیں۔ سورہ بقرہ میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے: **وَلَوْلَا**

دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِيَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ "اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین میں فساد مجھ جاتا۔ مگر اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے"۔ (آیت 251)۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 84 ▲

یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے کہ جو لوگ خلق خدا کو توحید کی طرف بلانے اور دین حق کو قائم کرنے اور شر کی جگہ خیر کو فروغ دینے کی سعی و جہد کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے مددگار ہیں، کیونکہ یہ اللہ کا کام ہے جس سے انعام دینے میں وہ اس کا ساتھ دینتے ہیں۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، آل عمران، حاشیہ 50۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 85 ▲

یعنی اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامۃ صلواۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوۃ میں صرف ہو، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انعام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے

دبانے میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کار فرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 86 ▲

یعنی یہ فیصلہ کہ زمین کا انتظام کس وقت کسے سونپا جائے دراصل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مغرب و بندے اس غلط فہمی میں ہیں کہ زمین اور اس کے بسنے والوں کی قسمتوں کے فیصلے کرنے والے وہ خود ہیں۔ مگر جو طاقت ایک ذرا سے نیچ کو تناور درخت بنادیتی ہے اور ایک تناور درخت کو بیزم سوختنی میں تبدیل کر دیتی ہے، اسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جن کے دبدبے کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہوں کہ بھلا ان کو کون ہلا سکے گا انہیں ایسا گرائے کہ دنیا کے لیے نمونہ عبرت بن جائیں، اور جنہیں دیکھ کر کوئی گمان بھی نہ کر سکتا ہو کہ یہ بھی کبھی اٹھ سکیں گے انہیں ایسا سر بلند کرے کہ دنیا میں ان کی عظمت و بزرگی کے ڈنکے نج جائیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 87 ▲

یعنی کفار مکہ۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 88 ▲

یعنی ان میں سے کسی قوم کو بھی نبی کی تکذیب کرتے ہی فوراً انہیں پکڑ لیا گیا تھا، بلکہ ہر ایک کو سوچنے سمجھنے کے لیے کافی وقت دیا گیا اور گرفت اس وقت کی گئی جبکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو چکے تھے۔ اسی طرح کفار مکہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ان کی شامت آنے میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ نبی کی تنبیہات محض خالی خولی دھمکیاں ہیں۔ درحقیقت یہ مہلت غور و فکر ہے جو اللہ اپنے قاعدے کے مطابق ان کو دے رہا ہے اور اس مہلت سے اگر انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کا انجام بھی وہی ہو کر رہنا ہے جو ان کے پیش روؤں کا ہو چکا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 89 ▲

اصل میں لفظ نکیر استعمال ہوا ہے جس کا پورا مفہوم عقوبت یا کسی دوسرے لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ لفظ دو معنی دیتا ہے۔ ایک یہ کہ کسی شخص کی بری روش پر ناخوشی کا اظہار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو ایسی سزا دی جائے جو اس کی حالت دگر گوں کر دے۔ اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جائے۔ کوئی دیکھے تو پہچان نہ سکے کہ یہ وہی شخص ہے۔ ان دونوں مفہومات کے لحاظ سے اس فقرے کا پورا مطلب یہ ہے کہ "اب دیکھ لو کہ ان کی اس روش پر جب میرا غضب بھڑ کا تو پھر میں نے ان کی حالت کیسی دگر گوں کر دی"۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 90 ▲

عرب میں کنوں اور بستی قریب قریب ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔ کسی قبیلے کی بستی کا نام لینا ہو تو کہتے ہیں: ماء بنی فلان یعنی فلان قبیلے کا کنوں۔ ایک عرب کے سامنے جب یہ کہا جائے گا کہ کنوں بیکار پڑے ہیں تو اس کے ذہن میں اس کا یہ مطلب آئے گا کہ بستیاں اجری پڑی ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 91 ▲

خیال رہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے۔ یہاں خواہ مخواہ ذہن اس سوال میں الجھ جائے کہ سینے والا دل کب سوچا کرتا ہے۔ ادبی زبان میں احساسات، جذبات، خیالات، بلکہ قریب قریب تمام ہی افعال دماغ سینے اور دل ہی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے "کو بھی یوں کہتے ہیں" وہ تو میرے سینے میں محفوظ ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 92 ▲

یعنی بار بار چیلنج کر رہے ہیں کہ میاں اگر تم سچے نبی ہو تو کیوں نہیں آجاتا ہم پر وہ عذاب جو خدا کے بھیجے ہوئے نبی برحق کے جھٹلانے پر آنا چاہیے، اور جس کی دھمکیاں بھی تم بارہا ہم کو دے چکے ہو۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 93 ▲

یعنی انسانی تاریخ میں خدا کے فیصلے تمہاری گھڑیوں اور جنڑیوں کے لحاظ سے نہیں ہوتے کہ آج ایک صحیح یا غلط روشن اختیار کی اور کل اس کے اچھے یا بے نتائج ظاہر ہو گئے۔ کسی قوم سے اگر یہ کہا جائے کہ فلاں طرز عمل اختیار کرنے کا انجام تمہاری تباہی کی صورت میں نکلے گا تو وہ بڑی ہی احمق ہو گی اگر جواب میں یہ استدلال کرے کہ جناب اس طرز عمل کو اختیار کیے ہمیں دس، بیس یا پچاس برس ہو چکے ہیں، ابھی تک تو ہمارا کچھ بگڑا نہیں۔ تاریخی نتائج کے لیے دن اور مہینے اور سال تو در کنار صدیاں بھی کوئی بڑی چیز نہیں ہیں

QuranUrdu.com

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آنَاءَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ فَالَّذِينَ أَمْنَوْا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ لَهُمْ
 مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ سَعَوا فِي أَيْتَنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِّمِ ﴿٤﴾ وَمَا
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا أَذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَنُ فِي أُمُّنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ
 اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ أَيْتِهِ طُورٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥﴾ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي
 الشَّيْطَنُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ طُورٌ وَإِنَّ الظَّلِيمِينَ لَفِي شِقَاقٍ
 بَعِيدٍ ﴿٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ
 قُلُوبُهُمْ طُورٌ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَا دِيَنٌ الَّذِينَ أَمْنَوْا إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ ﴿٧﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
 مِرْيَةٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيهِمُ السَّاعَةُ بَعْثَةً أَوْ يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يَوْمٌ عَقِيمٌ ﴿٨﴾ الْمُلْكُ يَوْمَ إِذِ
 تُلَهِّي طُورٌ يُحْكِمُ بَيْنَهُمْ طُورٌ فَالَّذِينَ أَمْنَوْا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
 وَكَذَّبُوا بِأَيْتَنَا فَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٠﴾

رکو ۶ >

اے محمد، کہہ دو کہ ”لوگو، میں تو تمہارے لیے صرف وہ شخص ہوں جو بُرا وقت آنے سے پہلے صاف صاف خبردار کر دینے والا ہو۔⁹⁴ پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے اُن کے لیے مغفرت ہے اور عزّت کی روزی۔⁹⁵ اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ دوزخ کے یار ہیں۔

اور اے محمد، تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی⁹⁶ جس کے ساتھ یہ معاملہ نہ پیش آیا ہو کہ⁹⁷ جب اُس نے تمباکی⁹⁸، شیطان اس کی تمباکی میں خلل انداز ہو گیا۔⁹⁹ اس طرح جو کچھ بھی شیطان خلل انداز یاں کرتا ہے اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو بختنہ کر دیتا ہے، اللہ علیم ہے اور حکیم۔¹⁰⁰ وہ اس لیے ایسا ہونے دیتا ہے تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنادے اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو¹⁰¹ نفاق کا روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوئے ہیں۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔۔۔ اور علم سے بہرہ مند لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں، یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھادیتا ہے۔¹⁰¹

انکار کرنے والے تو اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ یا تو ان پر قیامت کی گھٹری اچانک آجائے، یا ایک منحوس دن¹⁰² کا عذاب نازل ہو جائے۔ اُس روز بادشاہی اللہ کی ہو گی، اور وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ جو ایمان رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے وہ نعمت بھری جنتوں میں جائیں گے، اور جنہوں نے کفر کیا ہو گا اور ہماری آیات کو جھٹکایا ہو گا ان کے لیے رُسوُا گُن عذاب ہو گا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 94 ▲

یعنی میں تمہاری قسمتوں کے فیصلے کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ صرف خبردار کرنے والا ہوں۔ میرا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ شامت آنے سے پہلے تم کو متنبہ کر دوں۔ آگے فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی طے کرے گا کہ کس کو کب تک مہلت دینی ہے اور کب کس صورت میں اس پر عذاب لانا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 95 ▲

"مغفرت" سے مراد ہے خطاؤں اور کمزوریوں اور لغزشوں سے چشم پوشی و در گزر۔ اور "رزق کریم" کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ عمدہ رزق دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عزت کے ساتھ بیٹھا کر دیا جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 96 ▲

رسول اور نبی کے فرق کی تشریح سورہ مریم حاشیہ 30 میں کی جا چکی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 97 ▲

تَمَنَّى کا الفاظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی تو وہی ہیں جو اردو میں لفظ تمنا کے ہیں، یعنی کسی چیز کی خواہش اور آرزو۔ دوسرے معنی تلاوت کے ہیں، یعنی کسی چیز کو پڑھنا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 98 ▲

"تمنا" کا الفاظ اگر پہلے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ شیطان نے اس کی آرزو پوری ہونے میں رخنے ڈالے اور رکاوٹیں پیدا کیں۔ دوسرے معنی میں لیا جائے تو مراد یہ ہو گی کہ جب بھی اس نے کلام اللہ لوگوں کو سنایا، شیطان نے اس کے بارے میں طرح طرح کے شبہے اور اعتراضات پیدا کیے، عجیب عجیب معنی اس کو پہنانے، اور ایک صحیح مطلب کے سوا ہر طرح کے الٹے سیدھے مطلب لوگوں کو سمجھانے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 99 ▲

پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی خلل اندازیوں کے باوجود آخر کار نبی کی تمباکو (اور آخر نبی کی تمباکو کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی مساعی بار آور ہوں اور اس کا مشن فروغ پائے) پورا کرتا ہے اور اپنی آیات کو (یعنی ان وعدوں کو جو اس نے نبی سے کیے تھے) پختہ اور اٹل وعدے ثابت کر دیتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات و اعتراضات کو اللہ رفع کر دیتا ہے اور ایک آیت کے بارے میں جو الجھنیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈالتا ہے انہیں بعد کی کسی واضح تر آیت سے صاف کر دیا جاتا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 100 ▲

یعنی وہ جانتا ہے کہ شیطان نے کہاں کیا خلل اندازی کی اور اس کے کیا اثرات ہوئے۔ اور اس کی حکمت ہر شیطانی فتنے کا توڑ کر دیتی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 101 ▲

یعنی شیطان کی ان فتنہ پر دا زیوں کو اللہ نے لوگوں کی آزمائش، اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کا ایک ذریعہ بنادیا ہے۔ بگڑی ہوئی ذہنیت کے لوگ انہی چیزوں سے غلط نتیجے اخذ کرتے ہیں اور یہ ان کے لیے گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ صاف ذہن کے لوگوں کو یہی باتیں نبی اور کتاب اللہ کے برحق ہونے کا یقین دلاتی ہیں اور وہ محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ سب شیطان کی شرار تیں ہیں اور یہ چیز انہیں مطمئن کر دیتی ہے کہ یہ دعوت یقیناً خیر اور راستی کی دعوت ہے، ورنہ شیطان اس پر اس قدر نہ تملاتا۔

سلسلہ کلام کو نظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو ان آیات کا مطلب صاف سمجھ میں آ جاتا ہے۔ نبی ﷺ کی دعوت اس وقت جس مرحلے میں تھی اس کو دیکھ کر تمام ظاہر بیں نگاہیں یہ دھوکا کھارہ تھیں کہ آپ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ہیں۔ دیکھنے والے جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ تو یہ تھا کہ ایک شخص، جس کی تمباکو اور آرزو

یہ تھی کہ اس کی قوم اس پر ایمان لائے، وہ تیرہ برس معاذ اللہ سر مارنے کے بعد آخر کار اپنے مٹھی بھر پیروں کو لے کر وطن سے نکل جانے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس صورت حال میں جب لوگ آپ کے اس بیان کو دیکھتے تھے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور اس کی تائید میرے ساتھ ہے، اور قرآن کے ان اعلانات کو دیکھتے تھے کہ نبی کو جھٹلا دینے والی قوم پر عذاب آ جاتا ہے، تو انہیں آپ کی اور قرآن کی صداقت مشتبہ نظر آنے لگتی تھی، اور آپ کے مخالفین اس پر بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے تھے کہ کہاں گئی وہ خدا کی تائید، اور کیا ہوئیں وہ عذاب کی وعیدیں، اب کیوں نہیں آ جاتا وہ عذاب جس کے ہم کو ڈراوے دیے جاتے تھے۔ انہی باتوں کا جواب اس سے پہلے کی آیتوں میں دیا گیا تھا اور انہی کے جواب میں یہ آیات بھی ارشاد ہوئی ہیں۔ پہلے کی آیتوں میں جواب کارخ کفار کی طرف تھا اور ان آیتوں میں اس کارخ ان لوگوں کی طرف ہے جو کفار کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہے تھے۔ پورے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"کسی قوم کا اپنے پیغمبر کی تکذیب کرنا انسانی تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ پھر اس تکذیب کا جو انجام ہوا وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تباہ شدہ قوموں کے آثار قدیمہ کی صورت میں موجود ہے۔ سبق لینا چاہو تو اس سے لے سکتے ہو۔ رہی یہ بات کہ تکذیب کرتے ہی وہ عذاب کیوں نہ آ گیا جس کی وعیدیں قرآن کی بکثرت آیتوں میں کی گئی تھیں، تو آخر یہ کب کہا گیا تھا کہ ہر تکذیب فوراً ہی عذاب لے آتی ہے۔ اور نبی نے یہ کب کہا تھا کہ عذاب لانا اس کا اپنا کام ہے۔ اس کا فیصلہ تو خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ جلد باز نہیں ہے۔ پہلے بھی وہ عذاب لانے سے پہلے قوموں کو مهلت دیتا رہا ہے اور اب بھی دے رہا ہے۔ مهلت کا یہ زمانہ اگر صدیوں تک بھی دراز ہو تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ سب وعیدیں خالی خوبی دھمکیاں ہی تھیں جو پیغمبر کے جھٹلانے والوں پر عذاب آنے کے متعلق کی گئی تھیں۔"

پھر یہ بات بھی کوئی نئی نہیں ہے کہ پیغمبر کی آرزوؤں اور تمناؤں کے برآنے میں رکاوٹیں واقع ہوں، یا اس کی دعوت کے خلاف جھوٹے الزامات اور طرح طرح کے شبہات و اعتراضات کا ایک طوفانِ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سب کچھ بھی تمام پچھلے پیغمبروں کی دعوتوں کے مقابلے میں ہو چکا ہے۔ مگر آخر کار اللہ تعالیٰ ان شیطانی فتنوں کا استیصال کر دیتا ہے۔ رکاوٹوں کے باوجود دعوت حق فروغ پاتی ہے، اور محکم آیات کے ذریعہ شبہات کے رخنے بھردیے جاتے ہیں۔ شیطان اور اس کے چیلے ان تدبیروں سے اللہ کی آیات کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں، مگر اللہ انہی کو انسانوں کے درمیان کھوٹے اور کھرے کی تمیز کا ذریعہ بنادیتا ہے۔ اس ذریعہ سے کھرے آدمی دعوت حق کی طرف کھج آتے ہیں اور کھوٹے لوگ چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مفہوم جو سیاق و سبق کی روشنی میں ان آیات سے حاصل ہوا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایک روایت نے ان کی تفسیر میں اتنا بڑا گھپلا ڈال دیا کہ نہ صرف ان کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے، بلکہ سارے دین کی بنیاد ہی خطرے میں پڑ گئی۔ ہم اس کا ذکر یہاں اس لیے کرتے ہیں کہ قرآن کے طالب علم فہم قرآن میں روایات سے مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ روایت پرستی میں ناروا غلو کیا نتائج پیدا کرتا ہے، اور قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔

قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی بات نازل ہو جائے جس سے اسلام کے خلاف کفار قریش کی نفرت دور ہو اور وہ کچھ قریب آجائیں۔ یا کم از کم ان کے دین کے خلاف ایسی سخت تنقید نہ ہو جو انہیں بھڑکا دینے والی ہو۔ یہ تمنا آپؐ کے دل ہی میں تھی کہ ایک روز قریش کی ایک بڑی مجلس میں بیٹھے ہوئے آپؐ پر سورہ نجم نازل ہوئی اور آپؐ نے اسے پڑھنا شروع کیا۔

جب آپؐ أَفَرَعَيْتُمُ اللَّهَ وَالْعَزِيزَ ۝ وَمَنْوَةَ الشَّالِثَةَ الْأُخْرَى ۝ پر پہنچے تو یہاں ایک آپؐ کی زبان

سے یہ الفاظ ادا ہوئے: تلک الغرانقة العلیٰ و ان شفاعتہن لترجی۔ (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے)۔ اس کے بعد آگے پھر آپ سورہ نجم کی آیات پڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ جب اختتام سورہ پر آپ نے سجدہ کیا تو مشرک اور مسلمان سب سجدے میں گر گئے۔ کفار قریش نے کہا کہ اب ہمارا محمد ﷺ سے کیا اختلاف باقی رہ گیا۔ ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ خالق و رازق اللہ ہی ہے، البتہ ہمارے یہ معبود اس کے حضور میں ہمارے شفع ہیں۔ شام کو جبریلؑ آئے اور انہوں نے کہا: یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ دونوں فقرے تو میں نہیں لایا تھا۔ اس پر آپ سخت مغموم ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کی جو سورہ بنی اسرائیل، رکوع 8 میں ہے کہ وَإِنْ كَادُوا لِيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
لِتَفْتَرِي عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۝ وَإِذَا لَا تَخْذُلُكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كُدُّتَ تَرُكُنْ
إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا لَا ذَقْنَكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا
نَصِيرًا ۝۔ یہ چیز برابر نبی ﷺ کو رنج و غم میں مبتلا کیے رہی یہاں تک کہ سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ تم سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہو تارہا ہے۔ ادھر یہ واقعہ کہ قرآن سن کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ قریش کے لوگوں نے بھی سجدہ کیا، مہاجرین جبکہ تک اس رنگ میں پہنچا کہ آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ چنانچہ بہت سے مہاجرین مکہ واپس آگئے۔ مگر یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط تھی، اسلام اور کفر کی دشمنی جوں کی توں قائم ہے۔

یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں، ابن سعد نے طبقات میں، الواحدی نے اسباب النزول میں، موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں، ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن الی حاتم، ابن النذر

بَدْر، اَبْنَ مَرْدُوِيَّهُ اَوْ طَبْرَانِيَّهُ نَفْعَلَ کیا ہے۔ جِنْ سَنَدُوں سے یہ نقل ہوا ہے وہ مُحَمَّدُ بْنُ قَیْسٍ، مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ قُرْنَيِّيَّ، عُرُوهُ بْنُ زَبِيرٍ، اَبُو صَالَحَ، اَبُو الْعَالِيَّهِ، سَعِيدُ بْنُ جَبَرٍ، ضَحَاكٌ، اَبُو بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَارِثَ، تَتَّدَهُ، مُجَاهِدٌ، سُعْدٌ، اَبْنُ شَهَابٍ زُهْرَى، اَوْرَ اَبْنُ عَبَّاسٍ پُر ختم ہوتی ہیں (ابن عباس کے سوا ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے)۔ یہ قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں: ایک یہ کہ بتاؤں کی تعریف میں جو کلمات نبی ﷺ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت میں دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصاء کرنے کی کوشش کی تو 15 عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپ پر القا کر دیے اور آپ سمجھے کہ یہ بھی جبریل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہوآ آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو اونگھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ قصد اکھے مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز ملا کر یہ الفاظ کہہ دیے اور سمجھایہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں۔ اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔

ابن کثیر، بیہقی، قاضی عیاض، ابن خزیمہ، قاضی ابو بکر ابن العزی، امام رازی، قطبی، بدرا الدین عینی، شوکافی، آلوسی وغیرہ حضرات اس قصے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے، سب مرسل اور منقطع ہیں، مجھے کسی صحیح متصل سند سے یہ نہیں ملا۔" بیہقی کہتے ہیں کہ "از روئے نقل یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔" ابن خزیمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ "یہ زنا دقة کا گھڑا ہوا ہے۔" قاضی عیاض کہتے ہیں کہ "اس کی کمزوری اسی سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اس کو اپنے ہاں نقل نہیں کیا اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں

سے منقول ہوا ہے۔ امام رازی، قاضی ابو بکر اور آلوسی نے اس پر مفصل بحث کر کے اسے بڑے پر زور طریقے سے رد کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ابو بکر جصاص جیسے نامور فقیہ اور زمخشری جیسے عقلیت پسند مفسر، اور ابن حیر جیسے امام تفسیر و تاریخ و فقہ اس کو صحیح مانتے ہیں اور اسی کو آیت زیر بحث کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کا محدثانہ استدلال یہ ہے کہ:

"سعید بن جبیر^{رض} کے طریق کے سوابقی جن طریقوں سے یہ روایت آتی ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا منقطع، مگر طریقوں کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے ضرور۔ علاوه بر اس یہ ایک طریقہ سے متصلًا بسند صحیح بھی نقل ہوا ہے جسے بذرانے نکالا ہے (مراد ہے یوسف بن حماد عن آمیہ بن خالد عن شعبہ عن ابی بشر عن سعید بن جبیر^{رض} عن ابن عباس^{رض}) اور دو طریقوں سے یہ اگرچہ مرسل ہے مگر اس کے راوی صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں۔ یہ دونوں روایتیں طبری نے نقل کی ہیں۔ ایک بطریق یونس بن یزید عن ابن شہاب، دوسری بطریق معمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ عن داؤد بن ابی ہند عن ابی العالیہ۔"

جہاں تک موافقین کا تعلق ہے، وہ تو اسے صحیح مان ہی بیٹھے ہیں۔ لیکن مخالفین نے بھی بالعلوم اس پر تنقید کا حق ادا نہیں کیا ہے۔ ایک گروہ اسے اس لیے رد کرتا ہے کہ اس کی سند اس کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر سند قوی ہوتی تو یہ حضرات اس قصے کو مان لیتے۔ دوسرਾ گروہ اسے اس لیے رد کرتا ہے کہ اس سے تو سارے دین، ہی مشتبہ ہوا جاتا ہے اور دین کی ہربات کے متعلق شک پیدا ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم اور کہاں کہاں شیطانی انغو یا نفسانی آمیز شوں کا دخل ہو گیا ہو۔ حالانکہ اس نوعیت کا استدلال ان لوگوں کو تو مطمئن کر سکتا ہے جو ایمان لانے کے عزم پر قائم ہوں، مگر دوسرے لوگ جو پہلے ہی شکوک میں مبتلا ہیں، یا جواب تحقیق کر کے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، ان کے دل میں تو یہ جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ جن جن چیزوں سے یہ دین مشتبہ قرار پاتا ہوا نہیں رد کر دیں۔ وہ گو کہیں گے کہ جب کم از

کم ایک نامور صحابی اور بکثرت تابعین و تنقیح تابعین، اور متعدد و معتبر راویان حدیث کی روایت سے ایک واقعہ ثابت ہو رہا ہے تو اسے صرف اس بنابر کیوں رد کر دیا جائے کہ ان سے آپ کا دین مشتبہ ہوا جاتا ہے؟ اس کے بجائے آپ کے دین کو مشتبہ کیوں نہ سمجھا جائے جب کہ یہ واقعہ اسے مشتبہ ثابت کر رہا ہے؟

اب دیکھنا چاہیے کہ تنقید کا وہ صحیح طریقہ کیا ہے جس سے اگر اس قصے کو پرکھ کر دیکھا جائے تو یہ ناقابل قبول قرار پاتا ہے، چاہے اس کی سند کتنی ہی قوی ہو، یا قوی ہوتی۔

پہلی چیز خود اس کی اندر ونی شہادت ہے جو اسے غلط ثابت کرتی ہے۔ قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہجرت جبše واقع ہو چکی تھی، اور اس واقعے کی خبر پا کر مہاجرین جبše میں سے ایک گروہ مکہ واپس آگیا۔ اب ذرا تاریخوں کا فرق ملاحظہ کیجیے:

— ہجرت جبše معتبر تاریخی روایتوں کی رو سے رجب 5 نبوی میں واقع ہوئی، اور مہاجرین جبše کا ایک گروہ مصالحت کی غلط خبر سن کر تین مہینے بعد (یعنی اسی سال تقریباً شوال کے مہینے میں) مکے واپس آگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ لا محالہ 5 نبوی کا ہے۔

— سورہ بنی اسرائیل جس کی ایک آیت کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے اس فعل پر بطور عتاب نازل ہوئی تھی، معراج کے بعد اتری ہے، اور معراج کا زمانہ معتبر ترین روایات کی رو سے 11 یا 12 نبوی کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس فعل پر پانچ چھ سال جب گزر چکے تب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

— اور زیر بحث آیت، جیسا کہ اس کا سیاق و سبق صاف بتا رہا ہے 1 ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی عتاب پر بھی جب مزید دو ڈھانی سال گزر لیے تب اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القاء شیطانی سے ہو گئی تھی، اللہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔

کیا کوئی صاحب عقل آدمی باور کر سکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو، عتاب چھ سال بعد، اور آمیزش کی تنفس کا اعلان 9 سال بعد؟

پھر اس قصے میں بیان کیا گیا کہ یہ آمیزش سورہ نجم میں ہوئی تھی اور اس طرح ہوئی کہ ابتداء سے آپ اصل سورۃ کے الفاظ پڑھتے چلے آ رہے تھے، یک ایک وَمَنْوَةُ الشَّابِثَةِ الْأُخْرَى ○ پر پہنچ کر آپ نے بطور خود یا شیطانی انگو سے یہ فقرہ ملا یا، اور آگے پھر سورہ نجم کی اصل آیات پڑھتے چلے گئے۔ اس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ کفار مکہ اسے سن کر خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب ہمارا اور محمد ﷺ کا اختلاف ختم ہو گیا۔ مگر سورہ نجم کے سلسلہ کلام میں اس الحاقی فقرے کو شامل کر کے تو دیکھیے:

"بھر تم نے کچھ غور بھی کیا ان لات اور عزی پر اور تیسری ایک اور (دیوی) مناہ پر؟ یہ بلند پایہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ کیا تمہارے لیے تو ہوں بیٹے اور اس (یعنی اللہ) کے لیے ہوں بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ لوگ محض گمان اور من مانے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی آگئی ہے۔"

دیکھیے، اس عبارت میں خط کشیدہ فقرے نے کیسا صریح تضاد پیدا کر دیا ہے۔ ایک سانس میں کہا جاتا ہے کہ واقعی تمہاری یہ دیویاں بلند مرتبہ رکھتی ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ دوسرے ہی سانس میں پلٹ کر ان پر چوٹ کی جاتی ہے کہ بے وقوف، یہ تم نے خدا کے لیے بیٹیاں کیسی تجویز کر رکھی ہیں؟ اچھی دھاندی ہے کہ تمہیں تو ملیں بیٹے اور خدا کے حصے میں آئیں بیٹیاں۔ یہ سب تمہاری من گھڑت ہے جسے خدا کی طرف سے کوئی سند اعتبار حاصل نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس سوال کو جانے دیجیے کہ یہ صریح بے تکی باتیں کسی مرد عاقل کی زبان سے نکل بھی سکتی ہیں یا نہیں۔ مان لیجیے کہ شیطان نے غلبہ پا کر یہ الفاظ

زبان سے نکلوادیے۔ مگر کیا قریش کا وہ سارا مجمع جو اسے سن رہا تھا، بالکل ہی پاگل ہو گیا تھا کہ بعد کے فقر و میں ان تعریفی کلمات کی کھلی کھلی تردید سن کر بھی وہ یہی سمجھتا رہا کہ ہماری دیوبیوں کی واقعی تعریف کی گئی ہے؟ سورہ نجم کے آخر تک کا پورا مضمون اس ایک تعریفی فقرے کے بالکل خلاف ہے۔ کس طرح باور کیا جاسلتا ہے کہ قریش کے لوگ اسے آخر تک سننے کے بعد یہ پکارا ٹھے ہونگے کہ چلو آج ہمارا اور محمد ﷺ اختلاف ختم ہو گیا؟

یہ تو ہے اس قصے کی اندر وہی شہادت جو اس کے سراسر لغو اور مہمل ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اس میں تین آیتوں کی جوشان نزول بیان کی جا رہی ہے آیا قرآن کی ترتیب بھی اس کو قبول کرتی ہے؟ قصے میں بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ آمیزش سورہ نجم میں کی گئی تھی، جو 5 نبوی میں نازل ہوئی۔ اس آمیزش پر سورہ بنی اسرائیل والی آیت میں عتاب فرمایا گیا، اور پھر اس کی تنسیخ اور واقعہ کی توجیہ سورہ حج کی زیر بحث آیت میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہی سورت پیش آئی ہو گی: یا تو عتاب اور تنسیخ والی آیتوں کی اس زمانے میں نازل ہوئی ہوں جبکہ آمیزش کا واقعہ پیش آیا، یا پھر عتاب والی آیت سورہ بنی اسرائیل کے ساتھ اور تنسیخ والی آیت سورہ حج کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ دونوں آیتوں سورہ نجم ہی میں نہ شامل کی گئیں بلکہ عتاب والی آیت کو چھ سال تک یوں ہی ڈالے رکھا گیا اور سورہ بنی اسرائیل جب نازل ہوئی تب کہیں اس میں لا کر چپکا دیا گیا۔ پھر تنسیخ والی آیت مزید دو ڈھائی برس تک پڑی رہی اور سورہ حج کے نزول تک اسے کہیں نہ چسپا کیا گیا۔ کیا قرآن کی ترتیب اسی طرح ہوئی ہے کہ ایک موقع کی نازل شدہ آیتیں تک اسے کہیں نہ چسپا کیا گیا۔ الگ الگ بکھری پڑی رہتی تھیں اور برسوں کے بعد کسی کو کسی سورت میں اور کسی کو کسی دوسری سورت میں ٹانک دیا جاتا تھا؟ لیکن اگر دوسری صورت ہے کہ عتاب والی آیت واقعہ کے 6 سال بعد اور تنسیخ والی

آیت آٹھ نو سال بعد نازل ہوئی، تو علاوہ اس بے تنکے پن کے جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج میں ان کے نزول کا موقع کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر نقد صحیح کا تیسرا قاعدہ ہمارے سامنے آتا ہے، یعنی یہ کہ کسی آیت کی جو تفسیر بیان کی جا رہی ہو اسے دیکھا جائے کہ آیا قرآن کا سیاق و سباق بھی اسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کا آٹھواں رکوع پڑھ کر دیکھیے، اور اس سے پہلے اور بعد کے مضمون پر بھی نگاہ ڈال لیجئے اس سلسلہ کلام میں آخر کیا موقع اس بات کا نظر آتا ہے کہ چھ سال پہلے کے ایک واقعہ پر نبی کو ڈانت بتائی جائے (قطع نظر اس سے کہ آیت **وَإِنْ كَادُوا لِيَفْتِنُونَكَ** میں نبی پر کوئی ڈانت ہے بھی یا نہیں، اور آیت کے الفاظ کفار کے فتنے میں نبی کے مبتلا ہو جانے کی تردید کر رہے یا تصدیق)۔ اسی طرح سورہ حج آپ کے سامنے موجود ہے۔ آیت زیر بحث سے پہلے کا مضمون بھی پڑھیے اور بعد کا بھی دیکھیے۔ کیا کوئی معقول وجہ آپ کی سمجھ میں آتی ہے کہ اس سیاق و سباق میں یکاکیا یہ مضمون کیسے آگیا کہ "اے نبی، 9 سال پہلے قرآن میں آمیزش کر بیٹھنے کی جو حرکت تم سے ہو گئی تھی اس پر گھبراو نہیں، پہلے انبیاء سے بھی شیطان یہ حرکتیں کرتا رہا ہے، اور جب کبھی انبیاء اس طرح کا فعل کر جاتے ہیں تو اللہ اس کو منسوخ کر کے اپنی آیات کو پھر پختہ کر دیتا ہے۔"

ہم اس سے پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہیں، اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت، خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو، ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو اور قرآن کے الفاظ، سیاق و سباق، ترتیب، ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو۔ یہ دلائل تو ایک مشکل اور بے لگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے۔ رہا مومن، تو وہ سے ہرگز نہیں مان سکتا جب کہ وہ علانیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن کی ایک نہیں بسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو

شیطان نے بہکا دیا، بہ نسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے، یا حضور ﷺ کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال آسکتا تھا کہ توحید کے ساتھ شرک کی کچھ آمیزش کر کے کفار کو راضی کیا جائے، یا آپ اللہ تعالیٰ کے فرائیں کے بارے میں کبھی یہ آرزو کر سکتے تھے کہ کاش اللہ میاں ایسی کوئی بات نہ فرمائیں جس سے کفار ناراض ہو جائیں، یا یہ کہ آپ پر وحی کسی ایسے غیر محفوظ اور مشتبہ طریقے سے آتی تھی کہ جبریلؐ کے ساتھ شیطان بھی آپ پر کوئی لفظ القا کر جائے اور آپ اسی غلط فہمی میں رہیں کہ یہ بھی جبریلؐ ہی لائے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی کھلی تصریحات کے خلاف ہے اور ان ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے جو ہم قرآن اور محمد ﷺ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ خدا کی پناہ اُس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یاراویوں کی ثقاہت یا مطلق روایت کی کثرت دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس شک کو بھی دور کر دیا جائے جو راویان حدیث کی اتنی بڑی تعداد کو اس قصے کی روایت میں مبتلا ہوتے دیکھ کر دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ اگر اس قصے کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ تو نبی ﷺ اور قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعہ سے، جن میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں، اشاعت کیسے پا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اسباب کا سراغ ہم کو خود حدیث ہی کے ذخیرے میں مل جاتا ہے۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور مسند احمد میں اصل واقعہ اس طرح آیا ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی، اور خاتمے پر جب آپؐ نے سجدہ کیا تو تمام حاضرین، مسلم اور مشرک سب، سجدے میں گر گئے۔ واقعہ بس اتنا ہی تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اول تو قرآن کا ذرائع کلام اور انتہائی پر تاثیر انداز بیان، پھر نبی ﷺ کی زبان سے اس کا ایک ملہمانہ

شان کے ساتھ ادا ہونا، اس کو سن کر اگر پورے مجمع پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو اور آپ کے ساتھ سارا مجمع سجدے میں گر گیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ یہ تو وہ چیز تھی جس پر قریش کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص جادو گر ہے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں قریش کے لوگ اپنے اس وقت تاثر پر کچھ پشمیان سے ہوئے ہوں گے اور ان میں سے کسی نے یا بعض لوگوں نے اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کی ہو گی کہ صاحب، ہمارے کانوں نے تو محمد ﷺ کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف میں کچھ کلمات سنے تھے اس لیے ہم بھی ان کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔ دوسری طرف یہی واقعہ مہاجرین جب شہ تک اس شکل میں پہنچا کہ نبی ﷺ اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی ہے، کیونکہ دیکھنے والے نے آپ کو اور مشرکین و مومنین سب کو ایک ساتھ سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ یہ افواہ ایسی گرم ہوئی کہ مہاجرین میں سے تقریباً 33 آدمی کے میں واپس آگئے۔ ایک صدی کے اندر یہ تینوں باتیں، یعنی قریش کا سجدہ اس سجدے کی یہ توجیہ، اور مہاجرین جب شہ کی واپسی، مل جل کر ایک قصے کی شکل اختیار کر گئیں اور بعض ثقہ لوگ تک اس کی روایت میں مبتلا ہو گئے۔ انسان آخر انسان ہے۔ بڑے سے بڑے نیک اور ذی فہم آدمی سے بھی بسا اوقات لغزش ہو جاتی ہے اور اس کی لغزش عام لوگوں کی لغزش سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ عقیدت میں بے جا غلور کھنے والے ان بزرگوں کی صحیح باتوں کے ساتھ ان کی غلط باتوں کو بھی آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں۔ اور بد طینت لوگ چھانٹ کر ان کی غلطیاں جمع کرتے ہیں اور انہیں اس بات کے لیے دلیل بناتے ہیں کہ سب کچھ جوان کے ذریعے سے ہمیں پہنچا ہے، نذر آتش کر دینے کے لائق ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 102 ▲

اصل میں لفظ "عَقِيمٌ" استعمال ہوا ہے جس کا لفظی ترجمہ "بانجھ" ہے۔ دن کو بانجھ کہنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ ایسا منحوس دن ہو جس میں کوئی تدبیر کارگرنہ ہو، ہر کوشش الٹی پڑے، اور ہر امید مایوسی

میں تبدیل ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ وہ ایسا دن ہو جس کے بعد رات دیکھنی نصیب نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں مراد ہے وہ دن جس میں کسی قوم کی بر بادی کا فیصلہ ہو جائے۔ مثلًا جس روز قوم نوحؐ پر طوفان آیا، وہ اس کے لیے "بانجھ" دن تھا۔ اسی طرح عاد، ثمود، قوم، لوط، اہل ندیں، اور دوسری سب تباہ شدہ قوموں کے حق میں عذاب اللہ کے نزول کا دن بانجھ ہی ثابت ہو۔ کیونکہ اس "امر دوز" کا کوئی "فردا" پھر وہ نہ دیکھ سکے، اور کوئی چارہ گری ان کے لیے ممکن نہ ہوئی جس سے وہ اپنی قسمت کی بگڑی بناسکتے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتْلُوا أَوْ مَا تُوا لَيْزُرْ قَتَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٩﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ طَوْبَانَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عَوْقَبَ بِهِ ثُمَّ بَغَى عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَإِنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاوَاتِ مَاءً فَتُصَبِّئُ الْأَرْضَ مُخْضَرَةً طَوْبَانَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَوْبَانَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾

دکو٦ ۸

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے، اللہ ان کو اچھا رزق دے گا۔ اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔ وہ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔ بے شک اللہ علیم اور حلیم ہے۔ **103** یہ تو ہے اُن کا حال، اور جو کوئی بد لہ لے، ویسا ہی جیسا اُس کے ساتھ کیا گیا، اور پھر اس پر زیادتی بھی کی گئی ہو، تو اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا۔ **104** اللہ معاف کرنے والا اور در گزر کرنے والا ہے۔ **105**

106 یہ اس لیے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے **107** اور وہ سمع و بصیر ہے۔ **108** یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور سب باطل ہیں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں **109** اور اللہ ہی بالادست اور بزرگ ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی بر ساتا ہے اور اس کی بدولت زمین سر سبز ہو جاتی ہے؟ **110** حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف و خبیر ہے۔ **111** اُسی کی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بے شک وہی غنی و حمید ہے۔ **112** ۶۸

سورة الحج حاشیہ نمبر: 103 ▲

"علیم" ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ کس نے فی الحقيقة اسی کی راہ میں گھر بار چھوڑا ہے اور وہ کس انعام کا مستحق ہے۔ "حليم" ہے یعنی ایسے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ان کی بڑی بڑی خدمات اور قربانیوں پر پانی پھیر دینے والا نہیں ہے۔ وہ ان سے درگزر فرمائے گا اور ان کے قصور معاف کر دے گا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 104 ▲

پہلے ان مظلوموں کا ذکر تھا جو ظلم کے مقابلے میں کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکے ہوں، اور یہاں ان کا ذکر ہے جو ظالموں کے مقابلے میں قوت استعمال کریں۔

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قصاص اسی شکل میں لیا جائے گا جس شکل میں ظلم کیا گیا ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اگر آدمی کو ڈبو کر مارا ہے تو اسے بھی ڈبو کر مارا جائے گا، اور کسی نے جلا کر مارا ہے تو اسے بھی جلا کر مارا جائے گا۔ لیکن حفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ قاتل نے قتل خواہ کسی طریقے سے کیا ہو، اس سے قصاص ایک ہی معروف طریقے پر لیا جائے گا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 105 ▲

اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور غالباً دونوں ہی مراد ہیں۔ ایک یہ کہ ظلم کے مقابلے میں جو کشت و خون کیا جائے وہ اللہ کے ہاں معاف ہے، اگرچہ کشت و خون بجائے خود اچھی چیز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ جس کے تم بندے ہو، عفو و درگزر کرنے والا ہے، اس لیے تم کو بھی، جہاں تک بھی تمہارے بس میں ہو، عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اہل ایمان کے اخلاق کا زیور یہی ہے کہ وہ حليم، عالی ظرف اور متحمل ہوں۔ بدله لینے کا حق انہیں ضرور حاصل ہے، مگر بالکل مستقمانہ ذہنیت اپنے اوپر طاری کر لینا ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 106 ▲

اس پیراگراف کا تعلق اوپر کے پورے پیراگراف سے ہے نہ کہ صرف قریب کے آخری فقرے سے۔ یعنی کفر و ظلم کی روشن اختیار کرنے والوں پر عذاب نازل کرنا، مومن و صالح بندوں کو انعام دینا، مظلوم اہل حق کی دادرسی کرنا، اور طاقت سے ظلم کا مقابلہ کرنے والے اہل حق کی نصرت فرمانا، یہ سب کس وجہ سے ہے؟ اس لیے کہ اللہ کی صفات یہ اور یہ ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 107 ▲

یعنی تمام نظام کائنات پر وہی حاکم ہے اور گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس ظاہری معنی کے ساتھ اس فقرے میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جو خدارات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی نکاللاتا ہے اور چمکتے ہوئے دن پر رات کی ظلمت طاری کر دیتا ہے، وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے ان کے زوال و غروب کا منظر بھی دنیا کو جلدی ہی دکھائے، اور کفر و جہالت کی جو تاریکی اس وقت حق و صداقت کی فجر کا راستہ روک رہی ہے وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے حکم سے چھٹ جائے اور وہ دن نکل آئے جس میں راستی اور علم و معرفت کے نور سے دنیاروشن ہو جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 108 ▲

یعنی وہ دیکھنے اور سننے والا خدا ہے، اندھا بہر انہیں ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 109 ▲

یعنی حقیقی اختیارات کا مالک اور واقعی رب وہی ہے، اس لیے اس کی بندگی کرنے والے خاتم و خاسر نہیں رہ سکتے۔ اور دوسرے تمام معبود سراسر بے حقیقت ہیں، ان کو جن صفات اور اختیارات کا مالک سمجھ لیا گیا ہے ان کی سرے سے کوئی اصلیت نہیں ہے، اس لیے خدا سے منہ موڑ کر ان کے اعتماد پر جینے والے کبھی فلاح و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 110 ▲

یہاں پھر ظاہر مفہوم کے پچھے ایک لطیف اشارہ چھپا ہوا ہے۔ ظاہر مفہوم تو محض اللہ کی قدرت کا بیان ہے۔ مگر لطیف اشارہ اس میں یہ ہے کہ جس طرح خدا کی برسمانی ہوئی بارش کا ایک چھینٹا پڑتے ہی تم دیکھتے ہو کہ سو کھی پڑی ہوئی زمین یا کا یک لہلہ اٹھتی ہے، اسی طرح یہ وحی کا باران رحمت جو آج ہو رہا ہے، عنقریب تم کو یہ منظر دکھانے والا ہے کہ یہی عرب کا بخیر یگستان علم اور اخلاق اور تہذیب صالح کا وہ گلزار بن جائے گا جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 111 ▲

"لطیف" ہے، یعنی غیر محسوس طریقوں سے اپنے ارادے پورے کرنے والا ہے۔ اسکی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ ان کے آغاز میں کبھی ان کے انجام کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ لاکھوں بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، کون جان سکتا ہے کہ ان میں سے کون ابراہیم ہے جو تین چوتھائی دنیا کا روحانی پیشواد ہو گا اور کون چنگیز ہے جو ایشیا اور یورپ کو تہ و بالا کر ڈالے گا۔ خورد بین جب ایجاد ہوئی تھی اس وقت کون تصور کر سکتا تھا کہ ایم بم اور ہائیڈروجن بم تک نوبت پہنچائے گی، کو لمبیں جب سفر کو نکل رہا تھا تو کسے معلوم تھا کہ یہ ریاست ہائے متحده امریکہ کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے۔ غرض خدا کے منصوبے ایسے ایسے دلیق اور ناقابل ادراک طریقوں سے پورے ہوتے ہیں کہ جب تک وہ تکمیل کونہ پہنچ جائیں کسی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ کس چیز کے لیے کام ہو رہا ہے۔

"خبریں" ہے، یعنی وہ اپنی دنیا کے حالات، مصالح اور ضروریات سے باخبر ہے، اور جانتا ہے کہ اپنی خدائی کا کام کس طرح کرے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 112 ▲

وہی "غُنیٰ" ہے، یعنی صرف اسی کی ذات ایسی ہے جو کسی کی محتاج نہیں۔ اور وہی "حمدید" ہے، یعنی تعریف اور حمد اسی کے لیے ہے اور وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے، خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے۔

QuranUrdu.com

أَلَمْ تَرَأَنَّ اللَّهَ سَخَّرَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ
 أَنْ تَقْعَدَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي
 أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمْتَكِّمُمْ ثُمَّ يُحِيطُكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝ يُكْلِّ أُمَّةً جَعَلْنَا
 مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِّعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ ۗ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَ
 إِنْ جَدَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ أَلَلَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ
 فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَااءِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۗ إِنَّ
 ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَنًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ
 عِلْمٌ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا بَيِّنَتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ
 كَفَرُوا الْمُنْكَرُ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا ۗ قُلْ أَفَأَنِئِكُمْ بِشَرِّ مِنْ
 ذِكْرِكُمْ ۖ الْنَّارُ ۖ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

۹ دکوں

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اُس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں میں ہے، اور اُسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اُس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ **113** واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے، وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی پھر تم کو زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکرِ حق ہے۔ **114**

ہر اُمت **115** کے لیے ہم نے ایک طریق عبادت **116** مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، پس اے محمد، وہ اس معاملے میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔ **117** تم اپنے رب کی طرف دعوت دو، یقیناً تم سید ہے راستے پر ہو۔ **118** اور اگر وہ تم سے جھگڑے تو کہہ دو کہ ”جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو خوب معلوم ہے، اللہ قیامت کے روز تمہارے درمیان اُن سب بتاؤں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔“ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ **119**

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے نہ تو اُس نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ خود اُن کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں۔ **120** ان ظالموں کے لیے کوئی مدد گار نہیں ہے۔ **121** اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتیں ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ ابھی وہ اُن لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انھیں ہماری آیات سناتے ہیں۔ ان سے کہو ”میں بتاؤں تمہیں کہ اس سے بدتر چیز کیا ہے؟ **122** آگ، اللہ نے اسی کا وعدہ اُن لوگوں کے حق میں کر رکھا ہے، جو قبولِ حق سے انکار کریں، اور بہت ہی بڑا لھکانہ ہے۔“ **۶**

سورة الحج حاشیہ نمبر: 113 ▲

آسمان سے مراد یہاں پورا عالم بالا ہے جس کی ہر چیز اپنی اپنی جگہ تھی ہوئی ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 114 ▲

یعنی یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس حقیقت کا انکار کیے جاتا ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 115 ▲

یعنی ہر نبی کی امت۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 116 ▲

یہاں "منسک" کا لفظ قربانی کے معنی میں نہیں بلکہ پورے نظام عبادت کے معنی میں ہے۔ اس سے پہلے اسی لفظ کا ترجمہ "قربانی کا قاعدہ" کیا گیا تھا، کیونکہ وہاں بعد کافقرہ "تاکہ لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں" اس کے وسیع معنی میں سے صرف قربانی مراد ہونے کے تصریح کر رہا تھا۔ لیکن یہاں اسے محض "قربانی" کے معنی میں لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کو بھی اگر "پرستش" کے بجائے "بندگی" کے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو مدعایے قریب تر ہو گا۔ اس طرح منسک (طریق بندگی) کے وہی معنی ہو جائیں گے جو شریعت اور منہاج کے معنی ہیں، اور یہ اسی مضمون کا اعادہ ہو گا جو سورہ مائدہ میں فرمایا گیا ہے کہ **يُكْلِ جَعْلُنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ مِنْهَا جَأْ**^ط، "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے

ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی" (آیت 48)

سورة الحج حاشیہ نمبر: 117 ▲

یعنی جس طرح پہلے انبیاء اپنے اپنے دور کی امتوں کے لیے ایک "منسک" لائے تھے، اسی طرح اس دور کی امت کے لیے تم ایک منسک لائے ہو۔ اب کسی کو تم سے نزاع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، کیونکہ اس دور کے لیے یہی منسک حق ہے۔ سورہ جاشیہ میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: **ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى**

شَرِيعَةٌ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعُهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿آیت 18﴾ پھر (انبیاء بن اسرائیل کے بعد) اے محمد ﷺ ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک شریعت (طریقے) پر قائم کیا، پس تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ (مفصل تشرح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، الشوری، حاشیہ 20)

سورة الحج حاشیہ نمبر: 118 ▲

یہ فقرہ اس مطلب کو پوری طرح واضح کر رہا ہے جو پچھلے فقرے کی تفسیر میں ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 119 ▲

سلسلہ کلام سے اس پیراگراف کا تعلق سمجھنے کے لیے اس سورے کی آیات 55 تا 57 نگاہ میں رہنی چاہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 120 ▲

یعنی نہ تو خدا کی کسی کتاب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے فلاں فلاں کو اپنے ساتھ خدائی میں شریک کیا ہے لہذا ہمارے ساتھ تم ان کی بھی عبادت کیا کرو، اور نہ ان کو کسی علمی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ واقعی الوہیت میں حصہ دار ہیں اور اس بنا پر ان کو عبادت کا حق پہنچتا ہے۔ اب یہ جو طرح طرح کے معبد گھڑے گئے ہیں، اور ان کی صفات اور اختیارات کے متعلق قسم قسم کے عقائد تصنیف کر لیے گئے ہیں، اور ان کے آستانوں پر جبکہ سائیاں ہو رہی ہیں، دعائیں مانگی جا رہی ہیں، چڑھاوے چڑھ رہے ہیں، نیازیں دی جا رہی ہیں، طواف کیے جا رہے اور اعتکاف ہو رہے ہیں، یہ سب جاہلانہ گمان کی پیروی کے سوا آخر اور کیا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 121 ▲

یعنی یہ احمق لوگ سمجھ رہے ہیں کہ یہ معبد دنیا اور آخرت میں ان کے مددگار ہیں، حالانکہ حقیقت میں ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔ نہ یہ معبد، کیونکہ ان کے پاس مدد کی کوئی طاقت نہیں، اور نہ اللہ، کیونکہ اس سے یہ بغاوت اختیار کر چکے ہیں۔ لہذا اپنی اس حماقت سے یہ آپ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 122 ▲

یعنی کلام اللہ کی آیات سن کر جو غصے کی جلن تم کو لاحق ہوتی ہے اس سے شدید تر چیز، یا یہ کہ ان آیات کو سنانے والوں کے ساتھ جو زیادہ برا آئی تم کر سکتے ہو اس سے زیادہ بد تر چیز، جس سے تمہیں سابقہ پیش آنے والا ہے۔

١٠٦ رکوہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا إِلَهٌ أَنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا
 وَلَوْ اجْتَمَعُوا إِلَهٌ وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذَّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعْفَ الطَّالِبِ وَ
 الْمَطْلُوبِ ﴿٤٢﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهُ حَقًّا قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوْيٌ عَزِيزٌ ﴿٤٣﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ
 الْتَّلِيفَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٤٤﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
 خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكُعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا
 رَبَّكُمْ وَافْعُلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٦﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ
 اجْتَبَكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةً أَبِيَّكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمِّكُمْ
 الْمُسْلِمِينَ لَمِنْ قَبْلٍ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى
 النَّاسِ ﴿٤٧﴾ فَاقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَاتُّوا الزَّكُوَةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى

وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٨﴾

رکو ۶

لوگو، ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ **123** ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزّت والا تو اللہ ہی ہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﷺ اپنے فرماں کی ترسیل کے لیے ﷺ ملائکہ میں سے بھی پیغام رسال منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔ **124** وہ سمیع اور بصیر ہے، جو کچھ ان کے سامنے ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے او جھل ہے اُس سے بھی وہ واقف ہے **125**، اور سارے معاملات اُسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ **126**

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، رکوع اور سجده کرو، اپنے رب کی بندگی کرو، اور نیک کام کرو، شاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ **127** اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ **128** اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چُن لیا ہے **129** اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ **130** قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر **131**۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور اس ﷺ میں بھی ﷺ تمہارا یہی نام ہے **132**۔ تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ **133** پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ **134** وہ ہے تمہارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔ ۱۰

سورة الحج حاشیہ نمبر: 123 ▲

یعنی مدد چاہنے والا تو اس لیے کسی بالاتر طاقت کی طرف استمداد کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے کہ وہ کمزور ہے۔ مگر اس غرض کے لیے یہ جن کے آگے ہاتھ پھیلارہے ہیں ان کی کمزوری کا حال یہ ہے کہ وہ ایک مکھی سے بھی عہدہ بر انہیں ہو سکتے۔ اب غور کرو کہ ان لوگوں کی کمزوری کا کیا حال ہو گا جو خود بھی کمزور ہوں اور ان کی امیدوں کے سہارے بھی کمزور۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 124 ▲

مطلوب یہ ہے کہ مشرکین نے مخلوقات میں سے جن جن ہستیوں کو معبد بنایا ہے ان میں افضل ترین مخلوق یا ملائکہ ہیں یا انبیاء۔ اور ان کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے احکام پہنچانے کا ذریعہ ہیں جن کو اس نے اس خدمت کے لیے چن لیا ہے۔ محض یہ فضیلت ان کو خدا، یا خدا تعالیٰ میں اللہ کا شریک تو نہیں بنادیتی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 125 ▲

یہ فقرہ قرآن مجید میں بالعموم شفاعت کے مشرکانہ عقیدے کی تردید کے لیے آیا کرتا ہے۔ الہذا اس مقام پر پچھلے فقرے کے بعد اسے ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہوا کہ ملائکہ اور انبیاء و صلحاء کو بذات خود حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کرنہ سہی، اللہ کے ہاں سفارشی سمجھ کر بھی اگر تم پوچھتے ہو تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، ہر شخص کے ظاہر اور مخفی حالات وہی جانتا ہے، دنیا کے کھلے اور پھپھ مصالح سے بھی وہی واقف ہے، ملائکہ اور انبیاء سمیت کسی مخلوق کو بھی ٹھیک معلوم نہیں ہے کہ کس وقت کیا کرنا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں ہے، الہذا اللہ نے اپنی مقرب ترین مخلوق کو بھی یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ اس کے اذن کے بغیر جو سفارش چاہیں کر بیٹھیں اور ان کی سفارش قبول ہو جائے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 126 ▲

یعنی تدبیر امر بالکل اس کے اختیار میں ہے۔ کائنات کے کسی چھوٹے یا بڑے معاملے کا مر جع کوئی دوسرا نہیں ہے کہ اس کے پاس تم اپنی درخواستیں لے جاؤ۔ ہر معاملہ اسی کے آگے فیصلے کے لیے پیش ہوتا ہے۔ الہذا دست طلب بڑھانا ہے تو اس کی طرف بڑھاؤ۔ ان بے اختیار ہستیوں سے کیا مانگتے ہو جو خود اپنی بھی کوئی حاجت آپ پوری کر لینے پر قادر نہیں ہیں۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 127 ▲

یعنی فلاح کی توقع اگر کی جاسکتی ہے تو یہ روش اختیار کرنے سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن جو شخص بھی یہ روش اختیار کرے اسے اپنے عمل پر گھمنڈنہ ہونا چاہیے کہ میں جب ایسا عبادت گزر اور نیکوکار ہوں تو ضرور فلاح پاؤں گا، بلکہ اسے اللہ کے فضل کا امیدوار رہنا چاہیے اور اسی کی رحمت سے توقعات وابستہ کرنی چاہیں۔ وہ فلاح دے تب ہی کوئی شخص فلاح پاسکتا ہے۔ خود فلاح حاصل کر لینا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

"شاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔" یہ فقرہ ارشاد فرمانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح فلاح نصیب ہونا مشکوک ہے۔ بلکہ دراصل یہ شاہانہ انداز بیان ہے۔ بادشاہ اگر اپنے کسی ملازم سے یہ کہے کہ فلاں کام کرو، شاید کہ تمہیں فلاں منصب مل جائے، تو ملازم کے گھر شادیاں نجح جاتے ہیں کیونکہ یہ اشارۃً ایک وعدہ ہے اور ایک مہربان آقا سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ کسی خدمت پر ایک صلے کی امید وہ خود دلائے اور پھر اپنے وفادار خادم کو مایوس کرے۔

امام شافعی، امام احمد، عبد اللہ بن مبارک اور اسحاق بن راھویہ کے نزدیک سورہ حج کی یہ آیت بھی آیت سجدہ ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ، امام مالک، حسن بصری، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، ابرہیم بن حنفی اور سفیان ثوری اس جگہ سجدہ تلاوت کے قائل نہیں ہیں۔ دونوں طرف کے دلائل ہم مختصر ایہاں نقل کر دیتے ہیں:

پہلے گروہ کا اولین استدلال ظاہر آیت سے ہے کہ اس میں سجدے کا حکم ہے۔ دوسری دلیل عقبہ بن عامر کی وہ روایت ہے جسے احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماردوبیہ اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ قلت یا رسول اللہ افضلت سورۃ الحج علیٰ سائر القرآن بسجدتین؟ قال نعم فین لم یسجدھما فلا یقرأھما۔ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا سورہ حج کو سارے قرآن پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، پس جوان پر سجده نہ کرے وہ انہیں نہ پڑھے۔" تیسرا دلیل ابو داؤد اور ابن ماجہ کی وہ روایت ہے جس میں عمر و بن عاص کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو سورۃ حج میں دو سجدے سکھائے تھے۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرات عمر، علیؓ، عثمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو الدرداءؓ، ابو موسیؓ اشعریؓ اور عمّار بن یاسر سے یہ بات منقول ہے کہ سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔

دوسرے گروہ کا استدلال یہ ہے کہ آیت میں محض سجدے کا حکم نہیں ہے بلکہ رکوع اور سجدے کا ایک ساتھ ہے اور قرآن میں رکوع و سجود ملا کر جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نماز ہی ہوتی ہے۔ نیز رکوع و سجود کا اجتماع نماز ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ عقبہ بن عامر کی روایت کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کو ابن لہیعہ ابوالصعب بصری سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ خاص کر ابوالصعب تو وہ شخص ہے جو جاج بن یوسف کے ساتھ کعبے پر منجذیق سے پتھر بر سانے والوں میں شامل تھا۔ عمر و بن عاص والی روایت کو بھی وہ پایہ اعتبار سے ساقط قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کو سعید العقی عبد اللہ بن منین الكلابی سے روایت کرتا ہے اور دونوں مجھوں ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ کون تھے اور کس پایہ کے آدمی تھے۔ اقوال صحابہ کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے سورہ حج میں دو سجدے ہونے کا یہ مطلب صاف بتایا ہے کہ الاوی عزمۃ والاخیرۃ تعلیم یعنی پہلا سجدہ لازمی ہے، اور دوسرا سجدہ تعلیمی۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 128 ▲

جہاد سے مراد مخصوص "قال" (جنگ) نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ جد و جہد اور کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر جہاد اور مجاہد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ مزاجمت کرنے والی کچھ طاقتیں ہیں جن کے مقابلے میں یہ جد و جہد مطلوب ہے۔ اور اس کے ساتھ فی اللہ کی قید یہ متعین کر دیتی ہے کہ مزاجمت کرنے والی طاقتیں وہ ہیں جو اللہ کی بندگی اور اس کی رضا جوئی میں، اور اس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں، اور جد و جہد کا مقصود یہ ہے کہ ان کی مزاجمت کو شکست دے کر آدمی خود بھی اللہ کی طہیک طہیک بندگی کرے اور دنیا میں بھی اس کا کلمہ بلند اور کفر والخاود کے کلمے پست کر دینے کے لیے جان لڑادے۔ اس مجاہدے کا اولین ہدف آدمی کا اپنا نفس امارہ ہے جو ہر وقت خدا سے بغاوت کرنے کے لیے زور لگاتا رہتا ہے اور آدمی کو ایمان و طاعت کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب تک اس کو مسخرہ کر لیا جائے، باہر کسی مجاہدے کا امکان نہیں ہے۔ اسی لیے ایک جنگ سے واپس آنے والے غازیوں سے نبی ﷺ نے فرمایا قد متم خیر مقدم من الْجَهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجَهَادِ الْأَكْبَرِ۔ "تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آگئے ہو"۔ عرض کیا گیا وہ بڑا جہاد کیا ہے فرمایا مجاهدۃ العبد ہوا۔ "آدمی کی خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جد و جہد"۔ اس کے بعد جہاد کا وسیع تر میدان پوری دنیا ہے جس میں کام کرنے والی تمام بغاوت کیش اور بغاوت آموز اور بغاوت انگیز طاقتیں کے خلاف دل اور دماغ اور جسم اور مال کی ساری قوتیں کے ساتھ سعی و جہد کرنا وہ حق جہاد ہے جسے ادا کرنے کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 129 ▲

یعنی تمام نوع انسانی میں سے تم لوگ اس خدمت کے لیے منتخب کر لیے گئے ہو جس کا اپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں

فرمایا: **جَعْلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا** (آیت 143)۔ اور سورہ آل عمران میں فرمایا: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ** (آیت 110)۔ یہاں اس امر پر بھی متنبہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مجملہ ان آیات کے ہے جو صحابہ کرام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ثابت کرتی ہیں جو صحابہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کے براہ راست مخاطب صحابہ ہی ہیں۔ دوسرے لوگوں کو اس کا خطاب بالتفصیل پہنچتا ہے۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 130

یعنی تمہاری زندگی کو ان تمام بے جا قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے جو پچھلی امتوں کے فقیہوں اور فریسیوں اور پاپاؤں نے عائد کر دی تھیں۔ نہ یہاں فکر و خیال پر وہ پابندیاں ہیں جو علمی ترقی میں مانع ہوں اور نہ عملی زندگی پر وہ پابندیاں ہیں جو تمدن اور معاشرے کی ترقی میں رکاوٹ بنیں۔ ایک سادہ اور سہل عقیدہ و قانون تم کو دیا گیا ہے جس کو لے کر تم جتنا آگے چاہو بڑھ سکتے ہو۔ یہاں جس مضمون کو ثبوتی و ایجادی انداز میں بیان کیا گیا ہے وہی ایک دوسری جگہ سلبی انداز میں ارشاد ہوا ہے کہ **يَا مُرْهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا مُهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الظَّيْبَتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ وَيَضْعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ**، "یہ رسول ان کو جانی پہچانی نیکیوں کا حکم دیتا ہے، اور ان برائیوں سے روکتا ہے جن سے فطرت انسانی انکار کرتی ہے، اور وہ چیزیں حلال کرتا ہے جو پاکیزہ ہیں اور وہ چیزیں حرام کرتا ہے جو گندی ہیں اور ان پر سے وہ بھاری بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ زنجیریں کھولتا ہے جن میں وہ جگڑے ہوئے تھے" (اعراف۔ آیت 157)

سورة الحج حاشیہ نمبر: 131 ▲

اگرچہ اسلام کو ملت نوحؐ، موسیؑ، ملت عیسیؑ بھی اسی طرح کہا جاسکتا ہے جس طرح ملت ابراہیمؐ لیکن قرآن مجید میں اس کو بار بار ملت ابراہیمؐ کہہ کر اس کے اتباع کی دعوت تین وجوہ سے دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے اور وہ حضرت ابراہیمؐ سے جس طرح مانوس تھے کسی اور سے نہ تھے۔ ان کی تاریخ، روایات اور معتقدات میں جس شخصیت کا رسوخ واثر چاہوا تھا وہ حضرت ابراہیمؐ ہی کی شخصیت تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؐ ہی وہ شخص تھے جن کی بزرگی پر یہودی، عیسائی، مسلمان، مشرکین عرب، اور شرق اوسط کے صابئی، سب متفق تھے۔ انبیاءؑ میں کوئی دوسری ایسا نہ تھا اور نہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ تیسرا وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؐ ان سب ملتوں کی پیدائش سے پہلے گزرے ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور صابئیت کے متعلق تو معلوم ہی ہے کہ سب بعد کی پیداوار ہیں۔ رہے مشرکین عرب، تو وہ بھی یہ مانتے تھے کہ ان کے ہاں بت پرستی کا روانج عمر بن الحسنؓ سے شروع ہوا جو بنی خزانہ کا سردار تھا اور مآب (موآب) کے علاقہ سے ہبہ نامی بت لے آیا تھا۔ اس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سو سال قبل مسیح کا ہے۔ الہذا یہ ملت بھی حضرت ابراہیمؐ کے صدیوں بعد پیدا ہوئی۔ اس صورت حال میں قرآن جب کہتا ہے کہ ان ملتوں کے بجائے ملت ابراہیمؐ کو اختیار کرو، تو وہ دراصل اس حقیقت پر متنبہ کرتا ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؐ برحق اور برسر ہدایت تھے، اور ان ملتوں میں سے کسی کے پیروں نہ تھے، تو لامحالہ پھر وہی ملت اصل ملت حق ہے نہ کہ یہ بعد کی ملتیں، اور محمد ﷺ کی دعوت اسی ملت کی طرف ہے۔ مزید تشرح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، البقرہ، حواشی 134-135۔ آل عمران، حواشی 79-58۔ جلد دوم، النحل، حاشیہ 120۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 132

"تمہارا" کا خطاب مخصوص طور پر صرف انہی اہل یمان کی طرف نہیں ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، یا اس کے بعد اہل ایمان کی صفت میں داخل ہوئے، بلکہ اس کے مخاطب تمام وہ لوگ ہیں جو آغاز تاریخ انسانی سے توحید، آخرت، رسالت اور کتب اللہ کے ماننے والے رہے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اس ملت حق کے ماننے والے پہلے بھی "نوحی"، "ابراهیمی"، "موسیٰ"، "مسیحی" وغیرہ نہیں کہلاتے تھے بلکہ انکا نام "مسلم" (اللہ کے تابع فرمان) تھا، اور آج بھی وہ "محمدی" نہیں بلکہ "مسلم" ہیں۔ اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کے لیے یہ سوال معما بن گیا کہ محمد ﷺ کے پیروؤں کا نام قرآن سے پہلے کس کتاب میں مسلم رکھا گیا تھا۔

▲ سورۃ الحج حاشیہ نمبر: 133

تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، البقرہ، حاشیہ 144۔ اس سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون پر ہم نے اپنے رسالہ "شہادت حق" میں روشنی ڈالی ہے۔
آپ کی سہولت کے لئے یہاں لکھ دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ حاشیہ نمبر 144:

یہ اُمتِ ﷺ کی امامت کا اعلان ہے۔ "اسی طرح" کا اشارہ دونوں طرف ہے: اللہ کی اس رہنمائی کی طرف بھی، جس سے محمد ﷺ کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے اس مرتبے پر پہنچے کہ "اُمتٰ وَسَطٌ" قرار دیے گئے، اور تحویل قبلہ کی طرف بھی کہ نادان اسے محض ایک سُمّت سے دُوسری سُمّت کی طرف پھرنا سمجھ رہے ہیں، حالانکہ دراصل بیت المقدیس سے کعبے کی طرف سُمّت قبلہ کا پھرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی پیشوائی کے منصب سے باضابطہ معزُول کیا اور اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اس پر فائز کر دیا۔

”امّتٍ وَسَطٍ“ کا لفظ اس قدر و سیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجیحے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے، جو عدل و انصاف اور توسط کی روشن پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں ”امّتٍ وَسَطٍ“ اس لیے بنایا گیا ہے کہ ”تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوعِ انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا، اس وقت رسول ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکرِ صحیح اور عمل صالح اور نظامِ عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی، وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچادی اور عملًا اس کے مطابق کام کر کے دکھادیا۔ اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی ہو گی کہ رسول نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا، وہ تم نے انہیں پہنچانے میں، اور جو کچھ رسول نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اُس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔ اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اس اُمّت کے لیے خدا ترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس اُمّت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے، حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور بر تاؤ، ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اسی کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عدالت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری بڑی سخت تھی،

حتیٰ کہ اگر وہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی کرتے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ ہم نے تیری ہدایت، جو تیرے رسول کے ذریعے سے ہمیں پہنچی تھی، تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، تو ہم بہت بڑی طرح پکڑے جائیں گے اور یہی امامت کا فخر ہمیں وہاں لے ڈوبے گا۔ ہماری امامت کے دَور میں ہماری واقعی کوتاہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گمراہیاں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں، ان سب کے لیے ائمہ اُشر اور شیاطین انس و جن^۳ کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا، تو تم کہاں مر گئے تھے۔

سورة الحج حاشیہ نمبر: 134 ▲

یادوسرے الفاظ میں اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ہدایت اور قانون زندگی بھی اسی سے لو، اطاعت بھی اسی کی کرو، خوف بھی اسی کا رکھو، امیدیں بھی اسی سے والبستہ کرو، مدد کے لیے بھی اسی کے آگے ہاتھ پھیلاو، اور اپنے توکل و اعتماد کا سہارا بھی اسی کی ذات کو بناؤ۔